گنبد کا طوفان
farrukhanz.com
اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۱۴۰

گیند کا طوفان

اشتیاق احمد

حدیث شریف

★

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کو کافر کہا، تو دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا۔
یعنی جس کو کافر کہا، اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والا کافر ہو گیا۔

★

ناول ——— کینہ کا طوفان

طابع ——— اشتیاق احمد

کتابت ——— سعید نامدار

سرورق ——— محمد جاوید چغتائی

مطبع ——— زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

طباعت سرورق ——— پیرامیم پرنٹرز، لاہور

قیمت ——— ۹/۵۰ روپے

سالانہ قیمت ——— ۳۵۰/۰۰ روپے

اشتیاق پبلی کیشنز
۱۲/۹ نصیر آباد، مسلم پورہ
ساندہ کلاں، لاہور

دو باتیں

السلام علیکم ! آپ عید گزار چکے۔ خاص نمبر پڑھ
چکے۔ مجھے عید کارڈوں کے تحائف ارسال کر چکے۔
دوسرے لفظوں میں آپ مکمل طور پر فارغ ہو چکے،
اور تو اور سکولوں کی طرف سے بھی راوی عیش ہی
عیش لکھتا ہے۔ لیکن میرا حال اس کے بالکل الٹ
ہے۔ خاص نمبر کی ڈاک، عید کارڈوں کا ڈھیر،
خاص نمبر کا انعامی سوال۔ چار ناول وغیرہ۔
اب کیا کروں۔ کیا نہ کروں۔ خیر باقی باتوں
کا تو کچھ نہ کچھ کیا جائے گا۔ عید کارڈوں پر بات
ہو جائے۔ میں ان تمام قارئین کا حد درجے
شکر گزار ہوں۔ جنہوں نے عید کارڈوں کے ذریعے
اور خطوط کے ذریعے عید کی مبارک باد دی۔ آئندہ
سال کے لیے میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔
اسے ابھی گرہ میں باندھ لیں ، ہو سکتا ہے، آئندہ
عید سے پہلے آنے والے ناولوں میں وہ تجویز لکھنا
بھول جاؤں۔ اب لگے ہاتھوں بات یاد ہے۔
نوٹ کر لیں۔ آئندہ سال آپ میں سے کوئی
بھی مجھے عید کارڈ نہ بھیجے۔ عید مبارک صرف ایک
خط کے ذریعے دے دیں اور اس طرح جو پیسے آپ
بچائیں۔ وہ کسی غریب کو دے دیں۔ میرے خیال
میں یہ ایک عمدہ طریقہ ہوگا۔ کیا خیال ہے آپ
کا۔

اشتیاق

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں ___
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا ___
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں ___
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا ___
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

شکریہ:

اشتیاق احمد

پروفیسر داؤد فاروق کے ہاتھ میں وہ ننھی سی گیند دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے:

"یہ ___ یہ کیا ہے بھئی۔" وہ بولے۔

"جی نائیلون کی گیند۔" فاروق نے ان کی طرف حیرت بھری نظر ڈالی ___

"یہ ___ ذرا دکھانا مجھے۔" ان کی آواز میں کپکپی تھی۔ اب تو فاروق بھی پریشان ہو گئے ___

فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں گیند ان کی طرف اچھال دی ___ وہ چند لمحے تک اس کو اپنی انگلیوں میں گھماتے رہے، پھر یک دم کھڑے ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ کمرے سے نکل چکے تھے۔ دروازہ آواز کے ساتھ بند ہو گیا ___

"یہ تم کیا مصیبت ساتھ لے آئے۔" محمود نے فاروق کو

گھورا۔

"اگر میں جانتا کہ یہ گیند مصیبت بننے والی ہے تو ہرگز اسے ہاتھ نہ لگاتا۔"

"لیکن یہ گیند تمھیں ملی کہاں سے؟"

"کلاس روم سے۔ میں کلاس سے سب سے آخر میں نکلا تھا۔ یہ گیند مجھے ایک بنچ کے پائے کے ساتھ پڑی نظر آئی۔ میں نے سوچا۔ کسی کلاس فیلو کی گر گئی ہے، صبح اسے دے دوں گا، بس میں اسے اٹھا لایا۔ میں نے اسے جیب میں ڈال لیا تھا۔ دیکھنے میں کافی خوب صورت لگتی ہے۔ پھر ہمارا یہاں آنے کا پروگرام بن گیا۔ جب تم گھنٹی بجا رہے تھے۔ اس وقت میرا ہاتھ جیب میں چلا گیا۔ اور یہ گیند ہاتھ میں آ گئی۔ بے خیالی میں میں نے اسے جیب سے نکال لیا۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"لیکن یہ اتنی سی بات اب بڑی بات بننے ہی والی ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اگر ہماری قسمت میں یہی ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

"بظاہر اس گیند میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ نہ جانے پروفیسر انکل کو کیا نظر آ گیا۔" محمود بڑبڑایا۔

"یہ تو اب ان کے واپس آنے پر ہی معلوم ہوگا۔"

پروفیسر داؤد کی واپسی گیارہ منٹ بعد ہوئی۔ ان کے چہرے پر شدید الجھن کے آثار تھے:

"جمشید اس وقت کہاں ہے؟" وہ بولے۔

"جی۔ گھر میں ہیں۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔" یہ کہ کر انھوں نے فون کا ریسیور اٹھایا، نمبر گھمائے اور بولے:

"ہیلو جمشید۔ تمھاری یہاں فوری ضرورت ہے۔" یہ کہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"آپ بہت پریشان ہیں انکل۔ خیر تو ہے۔"

"نظر نہیں آتی۔" وہ بولے۔

"کیا چیز؟" فاروق بولا۔

"خیر۔" انھوں نے کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔" تینوں ایک ساتھ بولے۔

پھر انسپکٹر جمشید وہاں پہنچ گئے۔ وہ بھی فکر مند لگ رہے تھے:

"آپ نے اس انداز سے مجھے بہت ہی خاص موقعوں پر بلایا ہے پروفیسر صاحب۔" آتے ہی انھوں نے کہا۔

"یہ موقع بھی کم خاص نہیں ہے۔ اس گیند کو غور سے

"دیکھو جمشید۔" انھوں نے گیند میز پر ٹکاتے ہوئے کہا، لیکن وہ لڑھکنے لگی۔ انسپکٹر جمشید نے گیند کو پکڑ لیا اور اسے گھما کر دیکھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ خوب صورت گیند ہے۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن میں نے تمھیں یہاں اس کی خوب صورتی پر بات کرنے کے لیے نہیں بلایا۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"تو پھر؟"

"میں جاننا چاہتا ہوں۔ یہ گیند فاروق کے پاس کس طرح پہنچی؟"

"یہ بات تو انکل۔ آپ ان کی مدد کے بغیر بھی ہم سے پوچھ سکتے تھے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ جاننے کے بعد بھی جمشید کی ضرورت پڑتی۔ اس لیے میں نے سوچا، پہلے ہی بلا لوں۔" وہ بولے۔

"چلو فاروق بتاؤ۔"

فاروق نے وہی تفصیل دہرا دی۔ جو محمود اور فرزانہ کو بتائی تھی۔

"اوہ۔ تب تو معاملہ آسان ہو گیا۔" پروفیسر داؤد خوش ہو کر بولے۔

"جی کیا مطلب؟"

"صبح تم یہ گیند لے کر سکول جاؤ گے۔ اور کلاس دوم کے سب لڑکوں کو گیند دکھا کر پوچھو گے کہ یہ کس کی ہے۔"

"اور پھر میں یہ گیند اسے لوٹا دوں؟" فاروق نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔ گیند اس کو نہیں۔ مجھے دو گے۔ جمشید اس لڑکے کا پتا معلوم کر کے، اس کے اور اس کے خاندان کے بارے میں بہت احتیاط سے چھان بین کرو گے۔"

"آخر بات کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بات ابھی نہیں بتا سکتا۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"جی کیا مطلب۔ بات ابھی نہیں بتا سکتے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! ابھی نہیں۔ ابھی انتظار کرنا ہو گا۔"

"اور یہ انتظار کافی لمبا ہو گا۔ کیوں کہ سکول تو اب کل صبح کھلے گا۔" محمود بڑبڑایا۔

"ہاں! لیکن کیا کیا جا سکتا ہے۔ اس سے پہلے تو سکول کھلنے سے رہا۔" پروفیسر داؤد نے کندھے اچکائے۔

"ہم سب شدید بے چینی محسوس کر رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب" میرا، خان رحمان اور کئی دوسروں کا بھی اکثر تم [illegible]

حاصل کرتے ہو۔ آج مجھے موقع ملا ہے تو میں بھی خوب
بے چین کروں گا۔ پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ گیند کس کی
ہے۔" انھوں نے قدرے مسکرا کر کہا۔

"جی بہتر!" وہ بولے۔

دوسری صبح فاروق نے ٹیچر کے آنے سے پہلے گیند سب
لڑکوں کو دکھاتے ہوئے کہا:

"یہ گیند مجھے کل کلاس میں ملی ہے۔ جس کی ہو، بتا
سکتا ہے۔"

"اوہ۔ یہ۔ یہ میری ہے۔" ایک لڑکے نے اٹھ کر بے تابانہ
انداز میں کہا۔

محمود اور فاروق نے دیکھا۔ وہ ریحان انصاری تھا۔ فلک
انصاری کا بیٹا۔ اور فلک انصاری کے بارے میں وہ کچھ
نہیں جانتے تھے۔

اس وقت تک ریحان گیند لینے کے لیے آگے بڑھ چکا تھا۔

"گیند ہے بہت خوب صورت۔ ریحان آپ نے یہ کہاں سے
خریدی تھی؟" محمود نے سرسری انداز میں کہا۔

"جی۔ خریدی۔ نہیں تو۔ میں نے یہ خریدی تو کہیں سے
بھی نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"ارے۔ تو پھر؟" فاروق اور محمود ایک ساتھ بولے۔

"گھر کے ایک کونے میں پڑی نظر آئی تھی۔ میں نے اٹھا
لی اور اٹھا کر جیب میں رکھ لی۔ پھر شاید یہ مجھ سے یہاں
گر گئی۔" اس نے کہا۔

"اوہ۔ تب تو بھئی۔ آپ ذرا الگ چل کر ہماری ایک
بات سن لیں۔"

"اوہ۔ آئیے۔" اب اس نے بھی حیران ہو کر کہا۔

وہ اسے کلاس روم سے باہر لے آئے۔ اسی وقت ان
کے ٹیچر کلاس کی طرف آ رہے تھے۔

"آپ کہاں چل دیے بھئی۔ چلیے اندر۔" انھوں نے کہا۔

"سر۔ ہم تینوں کو معاف فرمائیں۔ ایک اہم معاملہ درپیش
ہے۔ ہم شاید یہ پیریڈ نہیں لے سکیں گے۔" محمود نے با ادب
[illegible] کہا۔

ٹیچر محمود اور فاروق کو اچھی طرح جانتے تھے۔ فوراً بولے۔

"ضرور۔ ضرور۔ کیوں نہیں۔" اور آگے بڑھ گئے۔

"اہم معاملہ درپیش ہے؟" ریحان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں بھئی۔ آئیے۔"

وہ اسے سکول سے باہر لے آئے۔ محمود نے اپنی موٹر سائیکل
پر اسے بٹھا لیا۔ پھر فرزانہ کے سکول کی طرف چل دیے۔
فرزانہ کو فاروق نے بٹھایا اور چاروں دفتر پہنچے۔ انسپکٹر جمشید

نے ان کی طرف دیکھتے ہی کہا:

"تو گیند ان کی ہے؟"

"جی نہیں۔ ان کی بھی نہیں۔ البتہ انھیں اپنے گھر کے ایک کونے میں پڑی ملی تھی۔"

ریحان کے چہرے پر اب ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر کہا:

"آخر بات کیا ہے؟"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آئیے۔ ہم ذرا آپ کے گھر چلیں گے۔ آپ کے ابو اس وقت کہاں مل سکیں گے؟"

"گھر ہی ملیں گے۔" اس نے کہا۔

"کیوں! وہ کیا کام کرتے ہیں؟"

"ہماری زمینیں ہیں۔" وہ بولا۔

"تب تو ٹھیک ہے۔"

اب وہ جیپ میں بیٹھے اور فلک انصاری کے گھر پہنچے۔ یہ ایک شان دار کوٹھی تھی۔ ریحان نے جیپ سے اتر کر گھنٹی بجائی۔ فوراً ہی ایک ملازم نے دروازہ کھولا اور چونک کر بولا:

"چھوٹے صاحب آپ۔ خیر تو ہے۔ آپ سکول سے

ہیں آ گئے۔"

"ان لوگوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ ابا جان کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں۔"

"میں انھیں لے کر آتا ہوں۔"

"نہیں۔ آپ ہمارے ساتھ رہیں گے۔ یہ انھیں اطلاع گے۔ آپ ہمیں ڈرائنگ روم تک لے چلیں۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"اوہ! اچھا۔ جاؤ قاسم۔ ابو کو بلا لاؤ۔"

"بہت بہتر جناب۔" ملازم بولا اور تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔

ریحان انھیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ ڈرائنگ روم سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ چند سیکنڈ بعد ہی ایک لمبے چوڑے قد و قامت کا آدمی اندر داخل ہوا، اس کے منہ میں سگار تھا۔

"خیر تو ہے ریحان۔ یہ حضرات کون ہیں؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ محمود اور فاروق ہیں ابو، میرے کلاس فیلو۔ اور یہ ان کے والد انسپکٹر جمشید ہیں۔ یہ فرزانہ ہیں۔ ان کی بیٹی۔"

"ارے!" وہ چونکا، پھر گرم جوشی سے آگے بڑھا اور

ن سے ہاتھ ملائے۔ فرزانہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس
نے کہا:

"لیکن بات کیا ہے۔ اس وقت تو آپ لوگوں کو سکول
میں ہونا چاہیے تھا۔"

"یہ سکول سے ہی آ رہے ہیں۔ معاملہ ہے، اس گیند کا۔"
انسپکٹر جمشید نے یہ کہا اور گیند اس کے سامنے رکھ
دی۔ گیند کو دیکھ کر فلک انصاری کی آنکھوں میں اُلجھن تیر
گئی۔ چند سیکنڈ تک اس کو گھورنے کے بعد وہ بولا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اس گیند کو میں نے کہیں
دیکھا ہے۔"

"یہ گیند ریحان صاحب کو گھر کے کسی کونے میں پڑی
ملی تھی۔ انھوں نے اُٹھا کر جیب میں رکھ لی۔"

"اوہ۔ اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ آپ کے گھر
میں کیوں تھی۔"

"پہلے تو مجھے یہ بتائیں کہ یہ ہے کیا بلا۔ اور آپ لوگ
اس کے لیے کیوں پریشان ہیں۔" اس نے کہا۔

اب فاروق کو تفصیل سنانا پڑی، پھر انسپکٹر جمشید بولے
"پروفیسر داؤد صاحب کو اس گیند میں کوئی خاص بات

ہے۔ وہ خاص بات کیا ہے، یہ ابھی انھوں نے ہمیں
بتایا، وہ فوری طور پر یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ
سے آئی ہے۔"

تب تو معاملہ اُلجھ گیا۔ کیوں کہ یہ بات تو میں بھی
بتا سکوں گا۔"

"آپ نے ابھی فرمایا ہے۔ گیند کو کہیں دیکھ چکے ہیں۔"
ہاں! میرا ذہن یہی کہہ رہا ہے۔ شاید میں نے بھی
اپنے گھر میں کہیں پڑا دیکھا ہوگا، لیکن بچوں کے
کی چیز سمجھ کر توجہ نہیں دی ہو گی۔"

اس سے تو پھر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گیند کے بارے
تو آپ کو کچھ معلوم ہے اور نہ ریحان صاحب کو۔
یہ کہ گھر کے دوسرے افراد سے پوچھ گچھ کرنا پڑے

یہاں اور کتنے افراد رہتے ہیں؟"

ریحان کی والدہ۔ اس کی بہن اور دو ملازم ہیں۔ قاسم
فرقان میاں۔"

ریحان کی والدہ سے فرزانہ معلوم کرے گی۔ باقی لوگوں
کو ہم یہاں جمع کر سکتے ہیں۔ لہٰذا پہلے سب کو یہاں
ہیں۔ لیکن ان کو گیند کے بارے میں کچھ نہ بتائیں۔
چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگانے کی کوشش کروں گا۔

بعض اوقات آدمی جھوٹ بولتا ہے ۔ لیکن اس کا چہرہ اس جھوٹ کی چغلی کھاتا ہے۔"

" اچھی بات ہے ۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ گھر کے کسی فرد کو اس گیند کے بارے میں جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت ہو گی ۔"

" اس کا امکان ہے ۔ پروفیسر داؤد بلاوجہ تو اس گیند کے لیے پریشان نہیں ہو سکتے ۔" انھوں نے کہا۔

" خیر ! میں ان تینوں کو یہاں بلائے لیتا ہوں ۔" یہ کہ کر اس نے دروازے کے پاس لگا ایک بٹن دبا دیا ۔ فوراً قاسم اندر داخل ہوا ۔ شاید وہ دروازے کے آس پاس ہی کہیں موجود تھا ۔

" جی فرمائیے ۔"

" بھئی فرمانے کی کیا ضرورت ہے ۔ تم سن تو چکے ہو ۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

" اوہ !" ان کے منہ سے نکلا ۔ پھر فلک انصاری نے سخت لہجے میں کہا :

" یہ کیا حرکت تھی ۔"

" کوئی بات نہیں جناب ۔ اس کو ڈانٹنے کی ضرورت نہیں تم یہیں ٹھہرو بھئی ۔ آپ گھنٹی پھر بجائیے ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

... نے گھنٹی بجائی ۔ آدھ منٹ بعد دوسرا ملازم فرقان ... داخل ہوا ۔ اس نے سوالیہ انداز میں سب کو ... پھر بولا :

... فرمائیے ؟"

... کو بلا لاؤ ۔ تم بھی یہیں آ جانا ۔"

... بہتر !"

... وہ ایک تیرہ چودہ سال کی لڑکی کے ساتھ اندر ...

... اس گیند کی طرف دیکھیے ۔" انسپکٹر جمشید نے ڈرامائی ...

... نے یک دم گیند کو دیکھا ۔ ادھر وہ چاروں ان کی ... دیکھ رہے تھے ۔

... کیا چیز ہے ؟" راضیہ بولی ۔

... کیا آپ اس کو پہلے کہیں دیکھ چکی ہیں ؟"

... بالکل نہیں ۔ میں زندگی میں پہلی بار اس ... ہوں ۔" اس نے کہا ۔

... نے مسٹر قاسم ؟"

... بھی نہیں دیکھا ہے اس کو ۔" قاسم نے کہا ۔

... میاں ! آپ کیا کہتے ہیں ؟"

"ابھی دیکھا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ سب لوگ جا سکتے ہیں، لیکن مسٹر قاسم ہمارے ساتھ جائیں گے۔ پولیس اسٹیشن۔" انسپکٹر جمشید نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"کک۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ان کے چہرے سے جھوٹ صاف ظاہر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ گیند کے بارے میں ضرور کچھ جا[نتے] ہیں۔"

"قاسم یہ کیا بات ہے؟"

"مم۔ میں۔ میں کیا کہوں۔"

"کیا تم اس گیند کو پہلے کہیں دیکھ چکے ہو؟"

"جی نہیں۔ یہ غلط ہے۔ اگر میں اس کو کہیں اور دیکھ چکا ہوتا تو یہ بات بتانے میں بھلا کیا حرج تھا۔" اس نے [منہ] بنا کر کہا۔

"کوئی حرج ہوگا۔ تبھی تو تم نہیں بتا رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں کچھ چھپا رہا ہوں" اس نے بھنا کر کہا۔

"آپ اپنے ملازم کے بات کرنے کا انداز دیکھ رہے

[...] صاحب۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"[قاسم]۔ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔"

"[نہیں] جناب۔ مجھ پر بلاوجہ الزام لگایا جا رہا ہے۔" اس [نے ...] میں کہا۔

"یہ میرا ریکارڈ ہے۔ بلاوجہ کسی پر الزام نہیں لگاتا۔ میں [اسی] جگہ یہ بات ثابت کروں گا کہ تم جھوٹ بول [رہے ہو]۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"[...]" فلک انصاری کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"[ہاں] جناب۔ ثابت کیے بغیر میں اس کو یہاں سے نہیں [لے جاؤں] گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ محمود اکرام کو فون کرو۔ [کہ وہ ریکارڈ لے] کر یہاں آجائے۔ صرف شہر کا تین سال کا ریکارڈ۔"

"[بہت] بہتر۔" محمود نے کہا اور فون کرنے لگا۔

اب انھوں نے قاسم کا رنگ اڑتے دیکھا۔ یہ بات [ان]صاری نے بھی محسوس کی۔

"قاسم۔ تم سچ سچ کیوں نہیں کہہ دیتے۔"

"میں اس گیند کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" اس نے [...]۔

"[سب] سے پہلی غلط بات تو یہ کہ ہماری آمد کے بعد [...] روم کے دروازے سے چپک کر اندر ہونے والی گفتگو

سُنتے رہے، دُوسری غلط بات یہ کہ گیند کو دیکھ کر چونکے - تیسری غلط بات یہ کہ تم اب تک تین مرتبہ پستول جیب سے نکالنے کی کوشش کر چکے ہو - لیکن میری نظروں کی وجہ سے ابھی تک یہ کام نہیں کر سکے - لیکن اگر تم پستول نکال بھی لیتے، تب بھی کچھ فرق نہیں پڑتا تھا - تم اس پستول کو چلا نہیں سکتے تھے۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"یہ - یہ آپ کیا کہ رہے ہیں - پستول۔" فلک انصاری نے بوکھلا کر کہا - ریحان اور راضیہ تو دھک سے رہ گئے۔

"ہاں! اس کی جیب میں ایک ننھا سا پستول بھی موجود ہے - جو اس نے کسی ایسے ہی موقعے کے لیے رکھا ہوا ہے - اس گیند کو لانے والا یہی ہے - یا پھر گیند اس کے ذریعے گھر میں داخل کی گئی - لیکن کیوں - یہ ہم اس سے پوچھیں گے۔" انھوں نے کہا۔

"ابھی تک تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ گیند ہے کیا بلا۔" فلک انصاری نے کہا۔

"یہ بات ہمیں بھی نہیں معلوم - لیکن پروفیسر داؤد چاہتے تھے کہ پہلے ہم یہ معلوم کریں - یہ گیند آئی کہاں سے۔"

"یہ تو خیر ہم ابھی تک معلوم نہیں کر سکے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

اکرام کے آنے کی دیر ہے - اس کے بعد یہ اپنے ہونٹوں ... نہیں رکھ سکے گا۔" انھوں نے کہا۔

"معاملہ حد درجے پُر اسرار ہو گیا ہے۔" راضیہ کے منہ سے نکلا۔

"ابھی کیا ہے - آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔" فاروق ...

اسی وقت محمود نے ریسیور رکھ دیا اور بولا:

"انکل اکرام آ رہے ہیں۔"

"فاروق تم آگے بڑھ کر اس کی جیب سے پستول نکال ... انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"خبردار - جو کسی نے میرے پستول کی طرف ہاتھ بڑھایا۔" ...

"اوہو - یہ انداز - اب تو مجھے آگے بڑھنا ہو گا، کیوں کہ ... گھر کے افراد بھی ہیں۔" انھوں نے کہا اور یک دم ... پر چھلانگ لگا دی - قاسم نے اس چھلانگ کی زد سے ... چاہا، لیکن - وُہ بچ نہیں سکا - انسپکٹر جمشید نے اسے ... طرح چھاپ لیا - جیسے کوئی باز کسی چڑیا کو - اور پھر انھوں نے اس کی جیب سے پستول نکال لیا - دُوسرے ہی لمحے ... کی گردن پر ان کا ہاتھ لگا اور وُہ گرتا چلا گیا۔

"یہ ۔ یہ کیا ہوا۔" فلک انصاری نے کانپ کر کہا۔

"صرف بے ہوش ہوا ہے ۔ فکر نہ کریں۔"

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی ، لیکن یہ انداز اکرام کا نہیں تھا ۔

یہ رہا سر

"یہ آپ کا کوئی ملاقاتی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ اچھا ۔ فرقان میاں ۔ تم دیکھو۔" فلک انصاری نے کہا۔

"جی اچھا!" ملازم بولا اور کمرے سے نکل گیا ۔ جلد ہی وہ ایک نوجوان کو لیے اندر داخل ہوا ، اس کی آنکھوں پر جدید طرز کی عینک تھی ۔ اس کے شیشوں میں سے اس کی آنکھیں دکھائی نہیں دے رہی تھیں ۔

"انہیں آپ سے ملنا ہے۔" فرقان میاں نے فلک انصاری کی طرف دیکھا ۔

"جی فرمائیے۔"

"یہ ۔ یہ ۔ اس کمرے میں کیا ہو رہا ہے جناب ۔" آنے والا پریشان ہو کر بولا۔

"یہاں ایک ناخوش گوار واقعہ پیش آگیا ہے ۔ آئیے میں آپ کو دوسرے کمرے میں لے چلوں ۔ آپ اپنی بات

وہاں چل کر کریں۔"

"ضرور ضرور۔ لیکن۔ یہ۔ ان صاحب کو کیا ہوا۔"

"بس ذرا بے ہوش ہو گیا ہے۔" فاروق بولا۔

"اوہ۔ حیرت ہے۔ کمال ہے۔ اب لوگ ذرا بے ہوش ہونے لگے۔"

محمود اور فرزانہ مسکرا دیے۔ فاروق اسے گھور کر رہ گیا۔ فلک انصاری اسے لے کر دروازے کی طرف بڑھا، اچانک وہ لڑکھڑایا۔ اور منہ کے بل گرا۔ دراصل وہ قاسم کی ٹانگوں میں اُلجھ گیا تھا۔

"سنبھل کر جناب۔ سنبھل کر۔" فلک انصاری گھبرا گیا۔

"کک۔ کوئی بات نہیں۔ میری نظر قدرے کمزور ہے۔" اس نے کہا اور پھر فلک انصاری کے ساتھ باہر نکل گیا۔

"محمود۔ یہ کچھ عجیب سا شخص جان پڑتا ہے۔ تم ان کے پیچھے جاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے دبی آواز میں کہا۔ ساتھ ہی انھوں نے قاسم کی طرف دیکھا۔ اس کے جسم میں اب حرکت پیدا ہو چلی تھی۔

محمود فوراً کمرے سے نکل گیا۔ اچانک انسپکٹر جمشید کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ انھوں نے کپکپاتی آواز میں کہا:

"ن۔ نہیں۔ نہیں۔ فاروق۔ فرزانہ۔ دوڑو۔ وہ جانے [illegible] پائے۔"

آن کی آن میں فاروق اور فرزانہ سمجھ گئے کہ ان کے والد کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ انھوں نے باہر کی طرف چھلانگیں لگا دیں۔ اور پھر بیرونی دروازے کی [illegible] دوڑ پڑے۔

دروازے پر فلک انصاری بے ہوش پڑا تھا، اس [illegible] اور محمود کا کہیں پتا نہیں تھا۔ انھوں نے آؤ دیکھا [illegible] دروازے سے باہر چھلانگیں لگا دیں۔ ادھر سے اکرام [illegible] تھا۔ وہ ان دونوں سے پورے زور میں ٹکرا گیا:

"[illegible]۔ خیر تو ہے بھئی۔ تت۔ تم لوگ آنکھیں گھر تو [illegible] آئے۔"

[illegible] فاروق اور فرزانہ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ [illegible] چلے گئے۔

"[illegible] انھیں کیا ہوا۔" اکرام بڑبڑایا اور پھر اندر [illegible] ہوتے ہی چونک اٹھا:

"[illegible]! یہ کیا۔" اس نے فلک انصاری کو بے ہوش [illegible] دیکھ کر کہا۔ پھر وہ اندر کی طرف بڑھا۔ ایک کمرے [illegible] چل نظر آئی۔ اس کے قدم اس طرف اٹھ گئے،

یہاں بھی ایک شخص کمرے کے فرش پر پڑا تھا:

"معلوم ہوتا ہے۔ میدان یہاں بہت گرم ہو چکا ہے۔" اکرام کے منہ سے نکلا۔

"آؤ اکرام۔ اس شخص کو دیکھو۔ بھلا کیا محسوس ہو رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید کی نظریں قاسم پر جمی تھیں۔

اکرام نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ پھر چند سیکنڈ بعد بولا:

"یہ شخص بے ہوش ہے۔ اور بس۔"

"اچھا خیر۔ یہ بتائیے۔ تم نے اس کو پہلے کہاں دیکھا ہے؟"

"ہم۔ میں نے۔ اوہ۔ آپ کا مطلب ہے۔ یہ کوئی پرانا جرائم پیشہ ہے۔"

"میرا خیال یہی ہے۔ اور خیال اس بنا پر ہے کہ اس نے میری موجودگی میں تین بار پستول جیب سے نکالنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے بھی میری جیب میں پستول کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ اس لیے یہ اس انداز سے پستول نکالنا چاہتا تھا کہ میں اسے نکالتے ہوئے نہ دیکھ سکوں۔ لیکن میں نے اسے یہ مہلت نہیں دی۔ اس سے پہلے بھی اس کے انداز ماہرانہ تھے۔ لہٰذا تم ذرا اس کے چہرے کا اپنے ریکارڈ سے موازنہ کر لو۔"

"جی بہتر۔ اور یہ فاروق اور فرزانہ کہاں دوڑ گئے ہیں۔

محمود صاحب کہاں ہیں؟"

"ابھی ابھی ایک شخص یہاں آیا تھا۔ وہ اس کے پیچھے گئے ہیں۔ کیا مسٹر فلک انصاری نہیں ملے تمھیں؟" انھوں نے کہا۔

"ایک صاحب دروازے پر بے ہوش پڑے ہوئے تو ہیں۔ اب یہ معلوم نہیں کہ وہ کوٹھی کے مالک فلک انصاری ہیں یا کوئی اور۔" اکرام نے کہا۔

"اوہ۔ تب تو۔ تب تو۔" یہ کہہ کر وہ باہر کی طرف جھپٹے۔ راضیہ اور ریحان بھی گھبرا کر باہر کی طرف بھاگے، پھر فلک انصاری کو اندر لایا گیا۔ وہ مکمل طور پر بے ہوش تھا۔

"یہ۔ یہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔" اکرام کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ ساری مہربانی ایک ننھی سی گیند کی ہے۔ یا پھر پروفیسر داؤد کی۔"

"جی۔ میں سمجھا نہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"فی الحال ہمیں انھیں ہوش میں لانے کی کوشش کرنا ہے۔ تم ڈاکٹر کو فون کر دو۔ کہیں انھیں طبی امداد کی ضرورت نہ ہو۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ ان دونوں کو۔" اکرام نے کہا۔

"دونوں کو یا ایک کو۔ تم فون کر دو۔" انھوں نے کہا۔

اکرام فون کرنے لگا اور ان کی نظریں پھر قاسم پر جم گئیں۔ انھوں نے ایک بار پھر اپنے جسم میں خوف کی لہر دوڑتی محسوس کی۔

اکرام فون کر کے فارغ ہوا تو ان کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

"ہاں! اب بتائیے۔ یہ سب کیا ہے۔ آپ کسی گیند اور پروفیسر صاحب کا ذکر کر رہے تھے۔ پروفیسر صاحب تو یہاں دور دور تک نظر نہیں آ رہے۔"

"ارے ہاں! پروفیسر صاحب کو بھی فون کر کے یہیں بلا لو، اب ان کی یہاں ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور پروفیسر داؤد کو بھی فون کرنے لگا۔ فارغ ہونے پر انسپکٹر جمشید نے ساری بات اسے بتا دی۔

"اوہو۔ یہ تو حد درجے حیرت انگیز معاملہ ہو گیا۔"

"ہاں! کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔ اب تم اپنا ریکارڈ دیکھو۔"

اکرام ریکارڈ دیکھنے لگا۔ بار بار وہ قاسم کا بھی جائزہ لے رہا تھا۔ اچانک اس کے ہاتھ رک گئے۔ اس نے کہا:

"یہ رہا سر۔"

انسپکٹر جمشید ریکارڈ پر جھک گئے۔ قاسم کی شکل صورت کے آدمی کا ریکارڈ موجود تھا۔ وہ تفصیل پڑھتے چلے گئے۔

"تو یہ شخص ایک سائنس دان کے لیے کام کرتا تھا۔ ڈاکٹر ارماط۔ لیکن پھر یہ اور ڈاکٹر ارماط تجربہ گاہ سے غائب پائے گئے۔ اور ان کی تجربہ گاہ میں ایک شخص کی لاش ملی تھی۔ ان پر قتل کا مقدمہ درج ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں! اور اس کا پہلا نام راون ہے۔ یہ بات ہے پورے تین سال پہلے کی۔" اکرام نے کہا۔

"اور وہ لاش کس کی تھی؟"

"یہ بات آج تک معلوم نہ ہو سکی۔ اس کو لاوارث خیال کر کے دفن کر دیا گیا تھا۔"

"اور اب یہ قاسم اس گیند کے بارے میں کچھ جانتا ہے، لیکن۔"

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔ محمود اندر داخل ہوا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا:

"کیا رہا بھئی؟"

"وہ نکل گیا۔ سڑک پر اس کی موٹر سائیکل کھڑی تھی، مجھے وقت پر کوئی ٹیکسی نہ مل سکی۔" اس نے کہا۔

"یہ بُرا ہوا - کیا تم نے موٹر سائیکل کے نمبر نوٹ کیے؟"
انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"جی ہاں! نمبر میں نے دیکھ لیے تھے - ای. کے ۵۱۵۔"

"چلو خیر - اتنا بھی بہت ہے، لیکن وہ دونوں کہاں نکل گئے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں نے انھیں نہیں دیکھا - ارے یہ کیا۔"

محمود چونک اُٹھا - اس کی نظریں قاسم پر جم گئی تھیں۔ اس کے جسم کی رگیں پوری طرح ابھر آئی تھیں اور اب ان میں کوئی چیز دوڑتی ہوئی صاف نظر آ رہی تھی -

"میں اس چیز کو کافی دیر پہلے محسوس کر چکا ہوں، لیکن کم از کم یہ میرے مُکّے کا اثر نہیں ہو سکتا - یا تو اس نے کوئی زہر استعمال کیا ہے - یا پھر کوئی اور بات ہے۔"

پھر وہاں ڈاکٹر صاحب آ گئے - انھوں نے پہلے قاسم کا معائنہ کیا اور اُلجھن کے انداز میں بولے:

"میں سمجھ نہیں سکا - کہ یہ کیا معاملہ ہے - میری زندگی میں ایسا کوئی کیس نہیں گزرا۔"

"خیر - اب آپ فلک انصاری کو دیکھ لیں۔"

انھوں نے فلک انصاری کا جائزہ لیا - ایک انجکشن انھیں دیا - چند منٹ بعد ہی اس نے آنکھیں کھول دیں اور پھ

چونک کر بولا:

"مم - میں - مجھے کیا ہوا تھا - اوہ یاد آیا - اس نے میرے سر پر وار کیا تھا۔"

"جی ہاں - اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی - سیاہ رنگ کی چیز - وہ اس نے آپ کے سر پر ماری تھی، پھر مجھے آتے دیکھ کر اس نے دوڑ لگا دی تھی۔"

"یہ - یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

"ہم یہی معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں - آپ کا مُلازم قاسم ایک سابقہ جرائم پیشہ ہے - اس پر اور اس کے ساتھی ایک سائنس دان پر قتل کا کیس بنا ہوا ہے، یہ لوگ ایک نامعلوم آدمی کو قتل کر کے بھاگ نکلے تھے - مارے جانے والے اس شخص کے بارے میں پولیس کچھ بھی معلوم نہیں کر سکی تھی۔"

"اوہ - اوہ۔" فلک انصاری کے منہ سے نکلا۔

مارے حیرت اور خوف کے ان کا بُرا حال تھا - ایسے میں فلک انصاری کی نظریں قاسم پر جا پڑیں - وہ بُری طرح چونکا:

"یہ - یہ اسے کیا ہو رہا ہے؟"

"کوئی اندازہ نہیں - ڈاکٹر صاحب بھی کچھ نہیں بتا

سکے ؛ تاہم یہ ابھی زندہ ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ محمود نے دوڑ لگا دی۔ کیوں کہ انداز پروفیسر داؤد کا تھا۔ جلد ہی وہ انھیں لیے اندر داخل ہوا:

"کیا بات ہے جمشید۔ خیر تو ہے؟"

"ہم اسی گیند کے سلسلے میں یہاں جمع ہیں۔ معاملہ بہت اُلجھا ہوا ہے۔"

"اوہو اچھا۔ ذرا میں بھی۔ ہائیں۔ ان صاحب کو کیا ہوا؟" پروفیسر داؤد نے کہا۔

ان کی نظریں قاسم پر جم گئیں۔ پھر انسپکٹر جمشید وہاں پیش آنے والے واقعات سُنانے لگے۔ ادھر ان کی نظریں بدستور قاسم پر جمی رہیں، البتہ کان انسپکٹر جمشید کی باتیں سُنتے رہے۔ اور پھر جب انھوں نے ڈاکٹر ارماط کا نام لیا تو وہ زور سے چونکے:

"اوہ جمشید اوہ۔"

"کیا ہوا پروفیسر صاحب"

"جب میں نے اس گیند کو دیکھا تو مجھے بے اختیار ڈاکٹر ارماط یاد آگیا تھا۔"

"جی۔ کیا مطلب۔ اس گیند سے ڈاکٹر ارماط کا کیا تعلق؟"

"وہ ایک بار مجھ سے ملاقات کرنے آیا تھا۔ اس وقت میں نے اس کے ہاتھ میں بالکل یہی گیند یا بالکل اسی جیسی گیند دیکھی تھی۔" پروفیسر داؤد نے جلدی جلدی بتایا۔

"تو پھر۔ کیا آپ نے اس گیند کے بارے اس سے نہیں پوچھا تھا۔"

"بالکل پوچھا تھا۔ لیکن اس نے گول مول جواب دیا تھا۔ پھر بات پلٹ کر اس نے کہا تھا۔ کہ اس نے ایک حیرت انگیز چیز دریافت کی ہے۔ چند روز تک مزید تجربات کرنے کے بعد وہ مشورے کے لیے آنا چاہتا ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ ضرور آ جائیے گا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن پھر وہ نہیں آیا۔ میں نے اس کے مرنے کی خبر اخبارات میں پڑھی۔ اور یہ بھی کہ اس کی تجربہ گاہ میں ایک شخص ہلاک شدہ ملا تھا۔ اس پر اور اس کے ماتحت پر پولیس نے مقدمہ درج کر لیا تھا۔ بس مجھے اس قدر معلوم ہے۔"

"لیکن انکل۔ فاروق کے ہاتھ میں گیند دیکھ کر آپ نہ صرف چونک اٹھے تھے۔ بلکہ اس کو لے کر تجربہ گاہ میں بھی گئے تھے۔ کیوں۔ آپ نے اس گیند میں کیا خاص بات دیکھی تھی۔"

محمود نے کہا۔

" پہلی بات تو یہی کہ یہ گیند میں ڈاکٹر ارماط کے ہا
میں دیکھ چکا تھا۔ دوسری یہ کہ اس نے اس کے بار—
میں گول مول جواب دیا تھا۔ لہٰذا فاروق کے ہاتھ
دیکھ کر میرا چونک اُٹھنا قدرتی بات تھی۔ میں نے سوچا۔ ا
وقت تو میں اس گیند کو چیک نہیں کر سکا تھا۔ آج تو
کر سکتا ہوں۔ لہٰذا میں نے اس کا معائنہ کیا۔"

" اور کس نتیجے پر پہنچے؟" انسپکٹر جمشید بے تابانہ اند
بولے —

" میں نے خاص آلات سے اس گیند کو چیک کیا تو م
ہوا کہ اس گیند میں ان گنت جراثیم موجود ہیں۔ جنہیں
کی تھوڑی سی مقدار میں رکھا گیا ہے۔"

" اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

" کوئی اور بات؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

" ابھی تک تو میں یہی معلوم کر سکا تھا۔ دراصل
ڈاکٹر ارماط یاد آ گیا تھا۔ میں نے سوچا۔ فاروق کس
گیند کس طرح لگی۔ کیا آس پاس کہیں ڈاکٹر ارماط چھ
ہے۔ بس یہ سوچ کر میں نے فوری طور پر تم لوگوں
اس کام پر لگا دیا۔"

ہوں۔ فاروق اور فرزانہ نہ جانے کہاں رہ گئے۔" انسپکٹر جمشید
ئے —
لگ۔ کیا میں دیکھوں ابا جان؟"
نہیں۔ کوئی ضرورت نہیں۔" وہ بولے، پھر ڈاکٹر صاحب
رف مڑے:
ڈاکٹر صاحب۔ اب پھر قاسم کو دیکھیے۔ اس کی حالت تو
سے بھی بدتر ہو گئی ہے۔"
ہاں! میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔" انھوں نے کہا اور
پر جھک گئے۔ چند منٹ کے معائنے کے بعد بولے:
کیوں نہ ہم اسے ہسپتال لے جائیں۔"
اگر آپ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو ضرور لے
اکرام تم موٹر سائیکل آئی۔ کے ۵۱۵ کا سراغ لگاؤ۔
کی ہے۔ سراغ لگا کر تم مجھے فون کر دینا، خود
ملنے کی کوشش نہ کرنا۔"
او کے سر۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔ ادھر ڈاکٹر صاحب
فون کر رہے تھے —
کیا اس سے پہلے بھی کبھی ڈاکٹر ارماط آپ سے ملنے کے
تھا؟
مجھے یاد نہیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"آپ اس کے بارے میں کوئی خیال بھی ظاہر نہیں کر
سکتے۔ وہ کس قسم کا آدمی ہے؟"

"نہیں۔ چند منٹ کی ملاقات سے بھلا میں کیا اندازہ
لگا سکتا تھا۔ بس وہ مجھ سے ملنے آیا۔ اپنا تعارف کرایا
پھر اس ایجاد کی بات کرکے چلا گیا۔" انھوں نے کہا۔

"اب۔ ابا جان اب۔ اس کی رگوں کو دیکھیے۔" محمود نے
کانپ کر کہا۔

ان کی نظریں قاسم کی رگوں پر جم گئیں۔ اب اس کی رگوں
میں کوئی چیز بہت تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ انھوں نے
اتنا پُر خوف منظر اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا
تھا۔ فلک انصاری اور اس کے بچے حیرت سے آنکھیں پھاڑے
یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ایسے میں اچانک انسپکٹر جمشید کو ایک
خیال سوجھا۔ انھوں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا:

"ڈاکٹر صاحب۔ اس کی جلد کا تو بغور جائزہ لیں۔ کہیں
کوئی چیز اس کے جسم میں کسی سوئی وغیرہ کے ذریعے تو
داخل نہیں کی گئی۔"

"اوہ اچھا۔" انھوں نے کہا اور اس کے جسم کے ننگے حصے
کو دیکھنے لگے۔ اچانک ان کے منہ سے نکلا:

"آپ کا خیال ٹھیک نکلا انسپکٹر جمشید۔ یہاں واقعی ایک

سوئی کا نشان موجود ہے۔"

"ہوں۔ تب تو۔ وہ اجنبی شخص دراصل یہی کام کرنے
آیا تھا۔"

"جی کیا مطلب؟"

"ہاں! وہ قاسم کو ہلاک کرنے آیا تھا۔ اس نے سوئی کے
ذریعے کوئی زہر اس کے جسم میں داخل کیا اور نکل گیا۔"

"حیرت ہے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے کوئی کسی کو قتل
کر گیا۔" محمود بولا۔

"ابھی۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔
اسی وقت قاسم نے ایک ہچکی لی۔ اور اس کی رگوں
میں حرکت ختم ہو گئی۔—

ہاتھی کے بچّے

"یہاں تو نہ اس اجنبی کا پتا ہے، نہ محمود کا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"یہی ہمارے لیے اچھا ہے کہ کسی کا پتا نہ چلے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"مطلب یہ کہ اس طرح ہم فوری طور پر واپس جا سکتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"مجھے افسوس ہے فاروق آج تمھاری یہ خواہش پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ان خواہشات میں بس یہی بات بُری ہے۔ ویسے تم نے یہ شان دار اندازہ کس طرح لگایا۔"

"ادھر دیکھو۔ اگرچہ درمیانی فاصلہ کافی ہے۔ لیکن میں محسوس کر سکتی ہوں۔ اس کار میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی

ریں ہم پر بھی ہیں۔"

"تو پھر۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔" فاروق نے اس کی طرف ک نظر ڈالی۔

"آخر انھیں کیا ضرورت پڑ گئی گھورنے کی۔"

"چلو۔ چل کر پوچھ لیتے ہیں۔" فرزانہ بھنّا اٹھی۔

"اب پوچھنے کا وقت بھی نکل گیا۔ وہ جا رہے ہیں۔" فاروق برا گیا۔

"حد ہو گئی۔ آؤ۔ جلدی کرو۔ ورنہ ابّا جان خوب خبر یں گے۔"

"اسے کہتے ہیں خ کا فضول استعمال۔"

دونوں آگے کی طرف لپکے۔ اسی وقت ایک ٹیکسی پاس ے گزری۔ فاروق نے فوراً ہاتھ اٹھا دیا۔ ٹیکسی رُک گئی۔ وں نے ایک سیکنڈ ضائع نہیں کیا۔ دوسرے ہی لمحے ان ٹیکسی بھی اس سمت میں اڑی جا رہی تھی۔ اگلی کار رخ رنگ کی تھی اور ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی تھی۔

"کہاں چلنا ہے صاحب؟" ڈرائیور بولا۔

"بس چلتے رہیں۔" فاروق نے گول مول جواب دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" ڈرائیور نے حیران ہو کر کہا۔

"اس سُرخ کار کو دیکھ رہے ہیں آپ؟"

بالکل دیکھ رہا ہوں۔ کیوں نہ دیکھوں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ
نے دو صحت مند آنکھیں مجھے دے رکھی ہیں۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔ اچھا تو بس۔ ٹیکسی اس کار کے
پیچھے لگائے رکھیے۔ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے
اور اس قدر نزدیک ہونے کی ضرورت بھی نہیں کہ ان لوگوں
کو تعاقب کا شبہ ہو جائے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"تعاقب۔ ارے۔ تو آپ سرخ کار کا تعاقب کرنا چاہتے
ہیں۔" ڈرائیور نے چونک کر کہا۔

"یہی بات ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"لیکن میں اس قسم کے کام نہیں کرتا۔"

"ملک اور قوم سے جناب کو کوئی ہمدردی ہے۔"

"بالکل ہے۔ ہر ایک کو ہونی چاہیے۔"

"اگر ہم آپ کو بتائیں کہ اس سرخ کار میں جرائم پیشہ
لوگ جا رہے ہیں اور ہم ان کا ٹھکانا دیکھنا چاہتے ہیں
تو آپ کا کیا جواب ہوگا۔"

"اس صورت میں تو تعاقب کرنا پڑے گا۔" اس نے کہا۔

"تو پھر۔ صورتِ حال یہی ہے۔"

"لیکن میں یقین کس طرح کر لوں۔" وہ بولا۔

"افسوس۔ ہم قسمیں کھانے کے عادی نہیں۔" فاروق نے

کہا۔

"اچھا خیر۔ میں اعتبار کیے لیتا ہوں، لیکن آپ کو کرایہ
پورا پورا ادا کرنا ہوگا۔"

"ہاں! کرائے کی آپ فکر نہ کریں۔" فاروق نے کہا اور
جیب میں ہاتھ ڈالا، دوسرے ہی لمحے اس کی سٹی گم ہو گئی،
بٹوہ جیب میں نہیں تھا، شاید صبح جیب میں رکھنا یاد نہیں
رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر فرزانہ کی طرف دیکھا۔ اور
ہاتھ کا اشارہ کیا۔ فرزانہ اس کا مطلب سمجھ گئی۔ اس نے
بھی اشارے میں کہا:

"میں تو نقدی اپنے پاس رکھتی ہی نہیں۔"

دونوں خاموش بیٹھ گئے اور کر ہی کیا سکتے تھے۔ یہ
تعاقب آدھ گھنٹے تک جاری رہا، پھر کار ایک ہوٹل کے
سامنے رک گئی۔ انھوں نے کار میں سے دو آدمیوں کو
اترتے دیکھا۔

"بس جناب ہمیں اتار دیں۔ آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔
ہم زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔ جہاں سے سوار ہوئے تھے،
وہیں واپس بھی جانا ہے ہمیں۔ آپ کے وقت کی قیمت ادا
کر دی جائے گی۔" فاروق جلدی جلدی بولا۔

"ضرور جناب۔ کیوں نہیں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

دونوں ہوٹل کی طرف بڑھے، اس وقت تک وہ دونوں اندر داخل ہو چکے تھے۔ اب ان کے قدم تیز تیز اُٹھنے لگے۔ ہوٹل اوسط درجے کا تھا۔ دروازے پر کوئی دربان بھی نہیں تھا۔ وہ اندر گھستے چلے گئے۔ ہال میں انھیں وہ دونوں کہیں بھی نظر نہ آئے۔

"اب کیا کریں؟" فرزانہ بولی۔

"صبر شکر۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ آؤ۔" فرزانہ نے کہا اور ایک میز کی طرف بڑھی۔

"کیا ٹھیک ہے؟"

"یہی کہ صبر شکر کر لیتے ہیں۔"

"تو اس کے لیے ہال کی طرف جانے کی کیا ضرورت ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھئی ذرا اطمینان سے بیٹھ کر کریں گے۔" فرزانہ مسکرائی۔

فاروق بُرے بُرے منہ بناتا اس کے ساتھ قدم اُٹھانے لگا۔ دونوں ایک میز پر بیٹھ گئے۔

"سیدھی سی بات ہے۔ ہم ان کے نام نہیں جانتے، کسی سے ان کے بارے میں کیا پوچھیں۔ اگر وہ ہال میں نظر آ جاتے تو بات دوسری تھی۔" فرزانہ بولی۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہمیں وہم ہوا ہو۔ وہ ہماری طرف نہ تک رہے ہوں۔"

"میں نگاہوں کے زاویے نوٹ کرنے کی ماہر ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔" فرزانہ مسکرائی۔

"بہت بہتر۔ مجھے فکر کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے، فکر کرے گا بے چارہ ٹیکسی ڈرائیور۔ اور ہاں۔ یہاں بھول کر کسی چیز کا آرڈر نہ دے بیٹھنا۔"

"اچھا۔ نہیں دوں گی۔"

پندرہ منٹ گزر گئے، لیکن ان دونوں کی شکلیں نظر نہ آئیں۔

"آخر ہم کب تک انتظار کریں۔ کہیں ٹیکسی ڈرائیور اندر نہ آ جائے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"اوہ ہاں۔ اچھا تو پھر آؤ۔ ہوٹل کے رہائشی حصے کی طرف چلتے ہیں۔ شاید وہ کسی کمرے میں نظر آ جائیں۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! وہ ہمارے لیے کمرے کا دروازہ کھلا ہی تو چھوڑے بیٹھے ہوں گے۔"

"اور تالوں کے سوراخ کس لیے ہوتے ہیں؟" فرزانہ بُرا مان گئی۔

دونوں رہائشی حصے میں آئے۔ اور اِدھر اُدھر دیکھ کر ایک ایک کمرے کا جائزہ لیتے آگے بڑھنے لگے۔ فرزانہ ایک دروازے کے تالے پر جھکی ہی تھی کہ دروازہ یک دم کھل گیا۔ اور وہ اپنی جھونک میں دروازے کے اندر داخل ہو گئے۔ فوراً ہی انھوں نے سُنا۔ کوئی کہ رہا تھا:

"یہ اندر داخل ہونے کا کون سا طریقہ ہے۔"

"اور یہ دروازہ کھولنے کا کون سا طریقہ ہے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"اب ہمیں کیا معلوم تھا کہ آپ بالکل دروازے سے لگے کھڑے ہیں۔" اس نے کہا۔

اب انھوں نے دیکھا۔ کمرے میں وُہی دونوں موجود تھے۔ جن کا تعاقب کرتے وُہ یہاں آئے تھے۔ ان کے علاوہ ایک سفید بالوں والا آدمی اور تھا۔ اس کے بال چاندی کے تار معلوم ہو رہے تھے۔ چہرہ بالکل گول تھا، آنکھیں بھی مکمل طور پر گول تھیں۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر نہ جانے انھیں کیوں اُلّو یاد آنے لگا۔

"کیا بات ہے۔ تم لوگ کون ہو؟"

"یہی سوال ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب۔ تم ہوتے کون ہو یہ پُوچھنے والے؟"

"ہم ذرا خاص قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"ضرور تمھارا دماغ خراب ہے۔ خیر ہم تم لوگوں کو ہوٹل کی انتظامیہ کے حوالے کر دیتے ہیں۔"

"لیکن آپ پولیس کو کیوں نہیں بلاتے؟"

"پولیس کا اس معاملے سے کیا تعلق۔ تم لوگ ہوٹل کے مسافروں کو تنگ کر رہے ہو۔ تم جانو۔ ہوٹل کی انتظامیہ جانے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ بلایئے ہوٹل کی انتظامیہ کو۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کک۔ کیا مطلب؟"

"آپ ہمیں انتظامیہ کے حوالے کر دیں۔ ہم انھیں بتا دیں گے۔" فرزانہ نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"کیا بتا دیں گے؟"

"جو ہمارا جی چاہے گا۔"

"گوگے۔ فون کرو۔" سفید بالوں والے نے ان میں سے ایک سے کہا جن کا تعاقب کرتے ہوئے وُہ یہاں تک پہنچے تھے۔

گوگا قدرے موٹا تھا اور دُوسرا پتلا دُبلا۔ لیکن ان کی آنکھوں سے مکاری ٹپک رہی تھی۔ گوگا فون کرنے لگا

اور وہ اطمینان سے کھڑے اس کو دیکھتے رہے۔ فون کا ریسیور
رکھ کر وہ ان کی طرف مُڑا:

"مسٹر بانکے آرہے ہیں۔"

"یہ کون صاحب ہیں؟"

"ہوٹل کے مینجر۔" سفید بالوں والا مسکرایا۔

اور پھر قدموں کی آواز اُبھری۔ انھوں نے ایک بھاری
بھرکم آدمی کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ انھیں یوں لگا
جیسے کوئی گینڈا اندر داخل ہو گیا ہو۔

"ہاتھی کے بچّے۔ یہ لوگ ہمارے کمرے میں کیوں موجود
ہیں۔" سفید بالوں والے نے آنے والے سے کہا۔

اسے اس گینڈا نما آدمی سے اس لہجے میں بات کرتے
دیکھ کر فاروق اور فرزانہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

"یہ۔ یہ کون ہیں مسٹر جواری ماتا۔"

"بانکے میاں۔ تمھارا دماغ تو نہیں چل گیا۔" جواری ماتا
نے بھنّا کر کہا۔

"بالکل۔ بالکل چل گیا ہوگا جناب۔ آپ کوئی غلط
بات نہیں کہہ سکتے۔ میں ابھی ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔"
ہوٹل کے مینجر نے کانپتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی وہ فون
کی طرف بڑھا۔

"خبردار۔ فون کی طرف قدم بھی نہ اٹھانا بانکے۔"

"تب پھر۔ جناب۔ میں فون کس طرح کر سکوں گا۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے فون کرنے کی۔ ان دونوں کو لے
جاؤ اور کسی کمرے میں بند کر دو۔ جب تک کہ یہ منہ سے
نہ اُگلیں کہ کون ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں اور کیوں آئے ہیں۔"

"بب۔ بہتر جناب۔ یہ تو اس طرح اُگلیں گے کہ کیا ان
کے اگلے پچھلوں نے اُگلا ہوگا۔"

"اے مسٹر۔ صرف ہمارے بارے میں بات کرو۔ ہمارے
اگلوں پچھلوں کی بات کی تو پھر ہم بھی تمھاری سات پشتوں
کو درمیان میں لے آئیں گے۔"

"ارے باپ رے۔ یہ میں نے کیا سُنا ہے۔ یہ کل کے
بچے بھی اب مجھ پر رُعب جمائیں گے، لعنت ہے میرے بانکے
پن پر۔" بانکے میاں نے تلملا کر کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ اب تم اپنے اوپر لعنت ہی بھیج
ہاتھی کے بچّے۔" جواری ماتا بولا۔

"آپ کہتے ہیں تو میں سو بار تیار ہوں۔ لیکن یہ تو
بتا دیں۔ یہ لوگ آخر کون ہیں اور آپ کو ان سے کیا دشمنی
ہے۔"

"کیا اوٹ پٹانگ باتیں کر رہے ہو۔ اگر مجھے ان سے

دشمنی ہوتی تو یہ اب تک زندہ نظر آتے تمہیں۔"

" ہاں ! یہ بھی ٹھیک ہے ۔خیر۔آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں ان دونوں کو لے جا کر کسی کمرے میں بند کر دوں۔"

" ہاں بالکل۔" جواری ماٹا بولا۔

" چلو میاں ۔ سیدھی طرح۔" اس نے ہاتھ نچایا۔

" ہمارا جانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے ۔جو بات کرنا چاہتے ہیں ، یہیں کریں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

" سنا بانکے ۔ یہ کیا کہ رہے ہیں۔"

" یہ دراصل آپ کو نہیں جانتے ۔ورنہ ان کا یہ جاتا یہاں پسینہ۔" بانکا بولا۔

" جواری ماٹا ۔ وہ آدمی ہیں جن سے بڑے بڑے کانپتے ہیں۔"

" کانپتے ہوں گے ، ہم بڑے بڑے نہیں ہیں۔" فرزانہ بولی۔

" دراصل میں آپ کا تعارف صحیح الفاظ میں کرا ہی نہیں سکتا۔" بانکے نے منہ بنایا۔

" خیر۔ جانے دو تعارف کو۔ اگر تم انہیں نہیں لے جا سکتے تو مجھے بتا دو ۔ میں گوگے اور سوکھے کو اشارہ کر دیتا ہوں۔"

" یہ میرے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہوگا۔ اگر میں ان دونوں کو یہاں سے نہ لے جا سکا۔" بانکے نے کہا۔

" تو پھر پہلے پانی کا انتظام کر لیں۔"

" فکر نہ کرو۔ اس کمرے میں غسل خانہ ہے۔اور غسل خانے میں کافی گہرا ٹب بھی موجود ہے۔" جواری ماٹا ہنسا۔

" تب ہم حاضر ہیں۔"

بانکا جھومتا جاتا ان کی طرف بڑھا۔ اس لمحے انھیں لگا جیسے واقعی وہ کوئی ہاتھی یا گینڈا ہو۔ پھر ان کے نزدیک آتے ہی اس کے ہاتھ ان کی گردنوں کی طرف بڑھے ، لیکن بھلا وہ اپنی گردنیں کب پھنسوانے والے تھے۔ ایک جھکائی دے کر اس کی کمر کی طرف پہنچ گئے ۔ اس سے پہلے کہ وہ پھر ان کی طرف گھومتا۔ دونوں نے سروں کی ٹکر اس کی کمر پر ایک ساتھ دے ماری۔

وہ لڑکھڑا گیا ۔ تاہم گرا نہیں۔ اتنا ضرور ہوا کہ اس کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی ۔ ادھر جواری ماٹا اور اس کے دونوں ساتھیوں کی آنکھوں میں حد درجے دلچسپی پیدا ہو گئی۔

" ہائیں ۔ بانکے ۔ یہ تو تمہیں نچائے دے رہے ہیں۔" جواری ماٹا بولا۔

" شش ۔ شاید یہ عام بچے نہیں ہیں ۔ میں بے خبری میں مار کھا گیا ہوں۔" اس نے جھینپ کر کہا۔

" خیر۔اب تو تم بے خبر نہیں ہو نا۔"

" بالکل نہیں مسٹر جواری ماٹا۔اب آپ میرا کمال دیکھیے گا۔"

"اسی کے لیے تو ترس رہا ہوں۔" جواری ماتا مُسکرایا۔

بانکا ایک بار پھر ان دونوں کی طرف بڑھا۔ دونوں ہر طرح تیار کھڑے تھے۔ بانکے نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔ جیسے ان دونوں کو بازوؤں میں جکڑ کر بھینچ ڈالنے کا پروگرام ہو۔

فاروق اور فرزانہ کھسکتے کھسکتے دیوار سے جا لگے اور خوف زدہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا پھیلاؤ بہت زیادہ تھا۔ اور جب سے وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ کمرے میں جگہ کم محسوس ہونے لگی تھی۔ ایک ایک قدم اُٹھاتا وہ ان کے عین سروں پر پہنچ گیا۔ اور پھر اس نے ایک جھپٹا مارا۔ فاروق اور فرزانہ تیار تھے۔ ایک دم نیچے بیٹھ گئے اور بیٹھنے کے بعد بھی رُکے نہیں اس کی ٹانگوں کے درمیان سے نکل کر ایک بار پھر اس کی کمر کی طرف آ گئے۔ ادھر اس کے دونوں بازو دیوار سے ٹکرائے تھے۔ وہ تلملا اُٹھا۔ لیکن اسی وقت اس پر دُوسری قیامت ٹوٹی۔ ایک بار پھر دونوں نے پوری طاقت سے اس کی کمر پر ٹکر دے ماری۔ وہ بازوؤں کی چوٹ کی وجہ سے بلبلا رہا تھا کہ اس ٹکر نے اس کا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ اس کے منہ سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی اور پھر وہ گرتا چلا گیا۔

"اس کے ڈوب مرنے کے لیے پانی کا انتظام کر دیں۔" فرزانہ مُسکرائی۔

"واہ۔ کمال ہے۔ ہاتھی کا بچّہ چوہوں سے مار کھا گیا۔"

"دیکھیے جناب! آپ کی زبان شریفانہ ہونی چاہیے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"شاید تم نے مجھے بھی بانکا سمجھ لیا ہے۔ گوگے۔ سوکھے۔ ان دونوں کو بتاؤ، میں کیا ہوں۔"

"او کے باس۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

اب گوگا اور سوکھا ان کی طرف بڑھے۔ دونوں نے ایک ساتھ ان پر چھلانگیں لگائیں۔ وہ جھکائی دے گئے۔ اور وہ اپنی ہی جھونک میں بانکے کے اُوپر جا گرے۔ ادھر بانکے نے بھنا کر ہاتھ چلایا۔ اس کا ہاتھ گوگے کے جبڑے پر لگا۔ وہ دُوسری طرف اُلٹ گیا۔ دونوں ہاتھ جبڑے پر جم گئے۔

"یہ کیا کیا ہے بانکے۔ تم نے گوگے کو بے کار کر دیا۔" جواری ماتا غرّایا۔

"اس۔ اس میں میرا کیا قصور۔ مسٹر جواری ماتا۔"

"ہوں۔ سوکھے۔ دیکھ کیا رہے ہو۔ ان کے انجر پنجر ڈھیلے کر دو۔"

"اب یہ بے چارہ کیا ڈھیلے کرے گا۔ ان کے تو اپنے ڈھیلے ہو چکے ہیں۔"

"کیوں سوکھے۔ یہ کیا کر رہے ہیں۔"

"ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے باس۔"

یہ کہتے ہی سوکھا ان پر جھپٹ پڑا۔ اس کے دائیں ہاتھ کا مکا فاروق کے منہ کی طرف اور بائیں ہاتھ کا فرزانہ کی پسلیوں کی طرف گیا۔ دونوں یک دم بیٹھ گئے۔ اس کے دونوں ہاتھ فضا میں لہرا کر رہ گئے۔ اسی وقت فاروق نے اس کی ایک ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی۔ وہ دھڑام سے گرا۔ فرزانہ نے اس کی دوسری ٹانگ پکڑنے میں دیر نہ لگائی۔ اب اس کا سر کمرے کے فرش پر تھا۔ جس کو اس نے دونوں ہاتھوں کی مدد سے اوپر اٹھایا۔

"مسٹر جواری ماٹا۔ آپ کا یہ ساتھی بھی گیا۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"خوف ناک۔" جواری ماٹا بولا۔

"اس خوف ناک پروگرام کی تفصیل بھی سنا دیں۔"

"ادھر دیکھو۔ الّوؤ۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

دونوں نے ایک ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ اب اس کے ہاتھ میں بڑے سائز کا ایک خوف ناک پستول چمک

رہا تھا۔ اور اس کی نال کا رُخ ان دونوں کی طرف تھا۔

"یہ کیا؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"اسے پستول کہتے ہیں۔"

"یہ کیا بہادری ہے۔" فرزانہ جھلا کر بولی۔

"جب ہاتھ پیر ہلائے بغیر ایک کام کیا جا سکتا ہے تو اس کے لیے جسم کو کیوں تھکایا جائے۔"

"تو پھر ان لوگوں کو تھکانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اس وقت مجھے تم لوگوں کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا۔"

"تو پھر ذرا آپ بھی بہادری کو آواز دیں اور پستول پھینک کر ہم سے دو دو ہاتھ کر لیں۔" فاروق نے گویا دعوت دی۔

"نہیں! میں احمق نہیں ہوں۔ تم لوگوں کے لڑنے کے انداز سے بھانپ چکا ہوں۔ تمہارے لیے پستول ہی مناسب رہے گا، کیوں کہ۔" اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کیوں کہ کیا؟"

"کیوں کہ پستول بازی میں بہت سے لوگ میرا لوہا مانتے ہیں۔ آج تک میرا نشانہ کبھی خطا نہیں گیا۔"

"اور آج تک آپ نے اپنا نشانہ آزمایا کتنی مرتبہ ہوگا۔"

"اَن گنت مرتبہ۔"

"بے جان چیزوں پر؟" فرزانہ نے پُوچھا۔

"ارے نہیں۔ جان داروں پر۔ وُہ بھی جانوروں اور پرندوں پر نہیں۔ انسانوں پر۔" اس نے فخر کے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" دونوں زور سے چونکے، کیوں کہ وُہ ایک بہت ہی خوف ناک بات کر رہا تھا۔

"ہاں! بہت سے لوگوں اور پولیس والوں کا خیال ہے کہ مَیں اَن گنت لوگوں کا قاتل ہُوں۔ لیکن چُوں کہ پولیس کے پاس میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس لیے آج تک مجھے گرفتار نہیں کر سکی۔ واضح رہے۔ یہ لوگوں کا خیال ہے۔ میرا نہیں۔"

"اور آپ کا اپنا کیا خیال ہے۔" فارُوق نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کہا۔

"میں نے تو ایک بھی جان دار کو نہیں مارا۔" اس نے مُسکرا کر کہا۔

"لیکن بقول پولیس یا لوگوں کے۔ آپ نے اتنے بہت سے لوگوں کو قتل کیوں کیا؟"

"ان کا خیال ہے۔ بلکہ ان کا کہنا ہے کہ مَیں ایک

کرائے کا قاتل ہُوں۔"

"اوہ۔ گویا جو لوگ کسی کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ وُہ آپ کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔"

"یہ خیال بھی پولیس کا ہے۔ میرا نہیں۔"

"ہُوں! ہم سمجھ گئے۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ تو بہت سنگ دل آدمی ہیں۔"

"اب تم اپنے بارے میں بتاؤ۔ کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟"

"ہم انسان ہیں اور گھومتے پھرتے یہاں آئے ہیں۔" فارُوق نے جواب دیا۔

"میں نے یہ پُوچھا تھا کہ کیوں آئے ہو۔ تمھارے جواب میں کیوں کا جواب نہیں آیا۔"

"گوگا اور سوکھا کا تعاقب کر رہے تھے۔ انھیں اس ہوٹل میں داخل ہوتے دیکھا تو ہمیں بھی اندر داخل ہونا پڑا، امید ہے۔ اب کیوں کا جواب مل گیا ہوگا۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" وُہ زور سے چونکا۔

"اب آپ کس بات کا مطلب پُوچھ رہے ہیں۔"

"تم لوگ ان کا تعاقب کیوں کر رہے تھے؟"

"ہماری مرضی - آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے۔"

"اے - میرے ہاتھ میں پستول ہے۔"

"ہوگا - ہمیں کیا۔" فاروق نے کندھے اُچکائے۔

"تم یُوں نہیں مانو گے۔" اس نے کہا اور اس کی اُنگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنے لگی۔

"بڑے عقل مند بن رہے تھے - ہو چلی ہے نا بے وقوفی - اب مُوت کا پھندا تمھارا مقدر ہوگا۔" فارُوق نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وُہ زور سے چونکا - اس کی اُنگلی ٹریگر پر سے اُٹھ گئی۔

"ہمیں یہاں گولی مار کر تم پولیس سے کس طرح بچ سکو گے - آخر یہ ایک ہوٹل ہے۔"

"بے وقوف - میرا پستول بالکل بے آواز ہے۔" وُہ بولا۔

"چلو مان لیا - بے آواز ہے - لیکن ہمارا خُون بے آو نہیں ہے۔" فرزانہ بولی۔

"بے آواز خون - یہ - یہ تو کسی ناول کا -" فارُوق ہکلایا

"اچھا - ہو سکتا ہو گا نام - ہم اس وقت مسٹر جوار ماٹا سے بات کر رہے ہیں - جو اَن گنت انسانوں کا قاتل

ہے - اور انسانوں کو قتل کر دینا جس کے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔"

"اوہ ہاں! یہ تو ہے۔"

"تم دونوں کی لاشیں یہاں سے ہٹا دینا اور خون صاف کر دینا ذرا بھی مشکل کام نہیں - کیوں کہ تم نہیں جانتے - کس سے بات کر رہے ہو اور کس کمرے میں بات کر رہے ہو۔"

"یہ دونوں باتیں تو ہمیں بہت اچھی طرح معلوم ہیں۔"

"نہیں تم نہیں جانتے۔" اس نے ایک بار پھر ٹریگر پر دباؤ ڈالا، عین اسی وقت دروازے پر کسی نے دستک دی۔

نن۔۔۔۔نہیں

" اس ۔ اس کی رگوں میں ہل چل ختم ہو گئی۔" ڈاکٹر صاحب چلائے ۔

" نہ صرف رگوں میں ۔ بلکہ جسم میں بھی ختم ہو گئی۔" انسپک
جمشید بولے ۔

" اوہ ہاں ! آپ ٹھیک کہتے ہیں ۔ یہ بے چارہ مر چکا ہے
فلک انصاری نے دکھ بھرے انداز میں کہا۔

" یہ آپ کے پاس کب سے ملازم تھا؟"

" ابھی ۔ کل ہی تو ملازم ہوا تھا۔" اس نے بتایا۔

" کیا !!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

" ہاں ! یہی بات ہے ۔ یہ کل ہی ملازمت کے لیے آ
تھا ۔ مجھے ملازم کی ضرورت تھی ۔ بس میں نے رکھ لیا ، لیک
یہ ۔ اس کی موت سمجھ میں نہیں آئی ۔"

" موت تو خیر کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ سکی ۔ خیر آپ

فکر نہ کریں ۔" یہ کہ کر انسپکٹر جمشید ڈاکٹر صاحب کی طرف مڑے اور بولے :

" ڈاکٹر صاحب ۔ میں فوری طور پر یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس شخص کی موت کس طرح واقع ہوئی ہے ۔"

" اچھی بات ہے ۔ آپ کو جلد از جلد اطلاع دینے کی کوشش کی جائے گی ؛ تاہم تفصیلی رپورٹ میں دیر لگے گی ۔"

" کوئی بات نہیں ۔ وہ بعد میں ملتی رہے گی ۔" وہ بولے ۔
اسی وقت ایمبولینس آ گئی ۔ ڈاکٹر صاحب لاش کے ساتھ ہی چلے گئے ۔

" قاسم کی موت سے میں صرف اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ گیند اسی کے ذریعے گھر میں آئی تھی ۔ لیکن کس لیے آئی تھی ۔ گیند قاسم کو کس نے دی تھی ۔ ان باتوں کو راز میں رکھنے کے لیے قاسم کو ہلاک کر دیا گیا ۔"

" لیکن کیسے ؟" فلک انصاری نے چلا کر کہا ۔

" یہ سوال ذرا ٹیڑھا ہے ۔ مجھے وہ اجنبی رہ رہ کر یاد آ رہا ہے ۔ جو اندر آ گیا تھا ۔ اور باہر کا رخ کرتے وقت الجھ کر گرا تھا ۔ اور گرا بھی بے ہوش قاسم پر تھا ۔ میں یقین سے کہ سکتا ہوں کہ جو کچھ بھی ہوا ہے ، اسی دوران ہوا ہے ۔ اس شخص نے کسی سوئی کے ذریعے زہر

اس کے جسم میں داخل کر دیا ہوگا۔"

"حد درجے پیچیدہ حالات ہیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ویسے پروفیسر صاحب، اس گیند کے جراثیم کا بھی تو تجربہ کرنا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اب میں اسی پہلو پر غور کر رہا ہوں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو میں یہ گیند تجربہ گاہ میں لے جاتا ہوں۔"

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔ لیکن آپ کو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے، گیند حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔"

"اوہ۔ تو پھر اس کا انتظام تم خود کرو۔" انھوں نے گھبرا کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔"

انھوں نے فون کر کے اپنے چند ماتحت بلائے۔ انھیں ہدایات دیں اور پروفیسر صاحب کو ان کے ساتھ تجربہ گاہ کی طرف روانہ کر دیا۔ اسی وقت اکرام کا فون موصول ہوا:

"سر۔ یہ معلوم کر لیا گیا ہے کہ موٹر سائیکل کس کی ہے۔"

"اچھا! میں آ رہا ہوں۔ ابھی اس کی طرف چلتے ہیں۔"

انھوں نے محمود کو ساتھ لیا اور فلک انصاری وغیرہ کو تسلی دے کر باہر نکل آئے۔ پھر کسی خیال کے تحت مڑے اور فلک انصاری سے بولے:

"آپ کی کسی سے دشمنی تو نہیں؟"

"یہ۔ یہ کیوں پوچھا آپ نے۔" وہ گھبرا گیا۔

"ایک خیال کے تحت۔" وہ بولے۔

"ہاں! میری کچھ لوگوں سے دشمنی ہے۔ اور یہ دشمنی زمین کے سلسلے میں ہے۔"

"تو پھر آپ گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھیں۔ اور پوری طرح اطمینان کیے بغیر کسی کے لیے دروازہ نہ کھولیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھا۔

"میں خطرے کی بو محسوس کر رہا ہوں۔ آپ میرا نام لے کر پولیس کو بھی بلوا لیں۔"

"اوہ۔ اوہ۔ آپ تو مجھے ڈرائے دے رہے ہیں۔" فلک انصاری نے کہا۔

"میرا خیال ہے۔ کہ اب آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں، خطرہ اب آپ سے قدرے دور چلا گیا ہے۔ بس اس کو نزدیک نہیں آنے دینا چاہیے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔" وہ بڑبڑایا۔

"اور اس دوران آپ یہ بھی غور کریں کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔ جو آپ کی جان لینے کا خواہش مند ہے۔ میں جلد آ کر اس کا نام پوچھوں گا۔"

"جج - جی بہتر!"

وہ وہاں سے نکل کر دفتر پہنچے، اکرام کو ساتھ لے کر نکلنے ہی لگے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کا فون موصول ہوا، وہ کہ رہے تھے:

"بہتر ہو گا کہ آپ یہیں چلے آئیں۔"

"اوہ اچھا۔" انھوں نے کہا اور پھر لیبارٹری پہنچے۔

ڈاکٹر صاحب ان کے منتظر تھے۔

"مم - میں - بلکہ ہم بہت پریشان ہیں۔" وہ بڑبڑائے۔

"خیر تو ہے ڈاکٹر صاحب۔"

"ہم سب سر توڑ کوشش کر چکے ہیں - لیکن قاسم کی موت کا سبب نہیں جان سکے - بس اس کی موت قدرتی موت ثابت ہو رہی ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے - کیا مرنے سے پہلے آپ نے اس کی حالت نہیں دیکھی تھی؟"

"بالکل دیکھی تھی، لیکن یہاں کے تجزیے کی رپورٹ یہی ہے کہ اس کے خون میں کوئی زہر نہیں ہے - لیکن اس کے جسم پر ایک سوئی کے چبھنے کا نشان ضرور ہے، لیکن اس نشان سے بھی جسم میں زہر نہیں داخل کیا گیا۔"

"معاف کیجیے گا - میں آپ کی بات نہیں سمجھا - تم

طور پر بھی جب ایک آدمی مرتا ہے - تو اس کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور بنتی ہے - آخر کوئی وجہ تو بتائیے۔"

"ہاں! یہ بات ضرور ہے - اس شخص کا ہارٹ فیل ہوا ہے، لیکن دل کے فیل ہونے میں کسی زہر کا قطعاً تعلق نہیں ہے۔"

"ہوں - یہ بات واقعی حیرت انگیز ہے۔" وہ بڑبڑائے، پھر اٹھتے ہوئے بولے:

"خیر - آپ مزید چھان بین جاری رکھیے - میں پھر آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔"

اور وہ وہاں سے نکل آئے -

"ہاں! اکرام - کہاں چلنا ہے؟" وہ بولے۔

"چلیے - میں لے کر چل رہا ہوں آپ کو۔"

"تو موٹر سائیکل اس شخص کی ہے جس کے پاس ہم جا رہے ہیں؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

ان کی جیپ چلتی رہی - یہاں تک کہ ایک شان دار کوٹھی کے سامنے رکی - اکرام نے اتر کر گھنٹی کا بٹن دبایا - جلد ہی ایک ملازم نے دروازہ کھولا:

"یہ ہمارے کارڈ ہیں - ملک صاحب کو دے دیں۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور کارڈ لے کر اندر چلا گیا۔

"ملک اختر خالد" محمود نے دروازے پر لکھا ہوا نام پڑھا۔

ملازم دوبارہ نمودار ہوا اور انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا۔ جلد ہی ایک چوڑے چہرے والا آدمی اندر داخل ہوا، اس کی آنکھیں بھوری تھیں۔

"فرمائیے جناب مَیں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"آپ کے پاس کوئی موٹر سائیکل ہے؟"

"جی ہاں! ہے۔ پھر۔"

"اور اس کا نمبر آئی۔کے ۵۱۵ ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"وہ موٹر سائیکل کہاں ہے؟"

"کل سے گم ہے۔ میں نے اس کی رپورٹ درج کرا دی ہے۔ کیا وہ آپ کو ملی ہے؟"

"ہم نے اس کی ایک جھلک ضرور دیکھی ہے۔ آپ نے کون سے تھانے میں رپورٹ درج کرائی ہے؟"

"اسی علاقے کے تھانے میں۔ آپ فون کر کے معلوم کر سکتے ہیں۔"

"اوہ ہاں ضرور۔" انھوں نے کہا اور پولیس اسٹیشن فون

کرنے لگے۔ جلد ہی ملک اختر خالد کی بات کی تصدیق ہو گئی۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے آپ کی موٹر سائیکل جرائم پیشہ لوگوں کے قبضے میں ہے اور وہ اس کو جرائم کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔

"آپ کی کسی سے دشمنی تو نہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"م۔ میری۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! آپ کی۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

"نہیں جناب۔ میرا کوئی دشمن نہیں۔ میں ایک شریف شہری ہوں۔ کسی سے میرا جھگڑا نہیں۔"

"شکریہ!" انھوں نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

باہر نکل کر انسپکٹر جمشید چند لمحے ایک سوچ میں گم رہے، پھر جیپ میں لگے فون پر جھک گئے۔ انھوں نے جلدی جلدی ملک انصاری کے نمبر گھمائے اور پھر سلسلہ ملنے پر بولے:

"آپ کسی ملک اختر خالد کو جانتے ہیں؟"

"ہاں! بہت اچھی طرح۔" دوسری طرف سے ملک انصاری نے کہا۔

"بہت خوب۔ آپ کے اس سے کس قسم کے تعلقات ہیں؟"

"بہت ہی ناخوش گوار۔ یہ صاحب میری زمینیں خریدنے

کے خواہش مند ایک مدت سے چلے آ رہے ہیں، لیکن میں اپنی زمینیں فروخت کرنے پر تیار نہیں ہوں۔ اس طرح یہ میرے دشمن بن گئے ہیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

پھر ریسیور رکھ کر باقی لوگوں کو یہ بات بتائی۔ ان کے منہ بھی حیرت سے کھل گئے۔

"اب ہمیں متعلقہ تھانے جانا ہوگا۔ تاکہ اپنی آنکھوں سے موٹر سائیکل کی گم شدگی کی رپورٹ دیکھ سکیں۔" انھوں نے کہا۔

پولیس اسٹیشن میں واقعی رپورٹ درج تھی۔ انسپکٹر جمشید نے اکرام سے کہا:

"اکرام۔ اس شخص کی چوبیس گھنٹے نگرانی ہونی چاہیے۔"

"میں ابھی آدمی مقرر کیے دیتا ہوں۔" اس نے کہا اور وہیں سے اپنے ماتحتوں کو فون پر ہدایات دینے لگا۔

وہ وہاں سے رخصت ہو کر پھر ملک اختر خالد کے ہاں پہنچے۔ انھیں دوبارہ دیکھ کر وہ حیرت زدہ نظر آیا:

"معاف کیجیے گا۔ ہم آپ کو پھر تکلیف دے رہے ہیں۔"

"کک۔ کوئی بات نہیں۔"

"آپ نے بتایا تھا کہ آپ کی کسی سے دشمنی نہیں ہے۔"

"جی ہاں! اس میں کیا شک ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

"آپ فلک انصاری کو جانتے ہیں؟"

"ج۔ جانتا ہوں۔" وہ ہکلایا۔

"کیا آپ کی ان سے دشمنی نہیں ہے؟"

"نہیں تو۔ بھلا میری ان سے کیوں دشمنی ہونے لگی۔" اس نے انکار میں زور سے سر ہلایا۔

"کیا آپ ان کی زمینیں خریدنے کے خواہش مند نہیں ہیں؟"

"جی ہاں! یہ بات تو خیر ہے۔"

"اور۔ فلک انصاری زمینیں فروخت کرنے پر تیار نہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"لہٰذا آپ لوگوں کی آپس میں دشمنی ہے۔"

"جی نہیں۔ اس میں دشمنی کی کیا بات۔ زمینیں ان کی ہیں، میں زبردستی تو لے نہیں سکتا۔"

"لیکن اس سلسلے میں دھمکیاں ضرور دے سکتے ہیں۔ اور دشمنی کی بنیاد بھی بنا سکتے ہیں اس چیز کو۔" انسپکٹر جمشید نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ آپ کا یا فلک انصاری کا خیال ہوگا۔ میرا نہیں۔"

"آپ قاسم کو جانتے ہیں؟" انھوں نے اچانک کہا۔

"قاسم۔ کیا مطلب؟" اس نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"قاسم ۔ جو کل ہی ملک انصاری کے گھر میں ملازم ہوا تھ

"نن ۔ نہیں ۔ میں تو اس نام کے کسی آدمی کو جان

بھی نہیں۔"

"بھئی کیوں جھوٹ بول رہے ہیں ۔ آپ کے گھر میں ت
قاسم بہت عرصے تک رہتا رہا ہے۔"

"نن ۔ نہیں ۔ نہیں۔"

ملک اختر خالد چلّا کر بولا، پھر اس کی آنکھوں میں
خوف دوڑ گیا ۔

لمبا آدمی

دباؤ ڈالتی اُنگلی رُک گئی ۔ جواری ماٹا نے سانپ کی
طرح پھنکارتی آواز میں کہا :

"دروازہ کھول دو۔"

یہ کہتے ہوئے بھی اس نے پستول جیب میں نہیں
رکھا۔ اس کی نال بھی ان کی طرف اُٹھی رہی ۔ اور آنکھیں
دونوں پر جمی رہیں ۔ ادھر انھوں نے جواری ماٹا کے دونوں
ساتھیوں اور مینجر بانکے میاں کی طرف دیکھا ۔ وہ اگرچہ ہوش میں
تھے، لیکن حرکت کرنے کے موڈ میں نظر نہیں آ رہے تھے ۔

"آپ نے یہ جملہ اپنے آدمیوں سے کہا ہے یا ہم سے ؟"

"یہ بزدل کیا اُٹھیں گے ۔ انھیں تو اب دُنیا سے ہی
اُٹھنا ہوگا ۔" جواری ماٹا نے منہ بنایا۔

"بھئی واہ ۔ یہ جملہ تو کچھ ادبی قسم کا ہو گیا ۔ اور ایک
جرائم پیشہ انسان کی زبان پر ادبی جملہ ذرا عجیب سا لگتا

ہے۔"

اسی وقت دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ فاروق مُڑا اور چٹخنی گرانے لگا۔ اسی لمحے اس نے ترچھی نظروں سے فرزانہ کی طرف دیکھا۔ وُہ بھی دروازے کے بالکل قریب تھی۔ پھر جُوں ہی دروازہ کھُلا، ایک بیرا یہ کہتا ہوا اندر داخل ہوا:

"سر۔ آپ کی ہال میں اشد ضرورت ہے۔"

ادھر فارُوق اور فرزانہ نے ایک ساتھ بیرے کو دھکا دیا۔ وُہ منہ کے بل آگے کی طرف گرا۔ دونوں نے ایک ساتھ چھلانگ لگائی اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

"خبردار۔" انھوں نے اپنے پیچھے جواری ماٹا کی آواز سنی۔ لیکن وُہ رُکے بغیر آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ہال میں پہنچ کر دم لیا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" فرزانہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"یہیں رک کر دیکھتے ہیں۔ جواری ماٹا اب کیا کرتا ہے۔" فاروق بولا۔

"پتا نہیں۔ یہ جواری ماٹا کیا بلا ہے؟" فرزانہ بڑبڑائی۔

"وُہی بلا ہو گی۔ جو اس نے خود کو بتایا ہے۔" فاروق مسکرا دیا۔

وُہ ہال کی ایک میز پر بیٹھ گئے اور انتظار کرتے رہے، لیکن بہت دیر گزرنے پر بھی نہ جواری ماٹا نظر آیا، نہ مینجر اور دُوسرے دو ساتھی۔ یہاں تک کہ وُہ بیرا بھی نیچے نہ آیا جو ان کے لیے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوا تھا۔

"یہ لوگ تو رہ گئے اوپر ہی۔" فرزانہ کی آواز میں جھلّاہٹ تھی۔

"تو پھر۔ کیا اوپر دیکھنے چلیں۔" فاروق بولا۔

"یہ بے وقوفی ہو گی۔ پہلے اپنے کچھ ساتھی یہاں موجود ہونے چاہییں۔"

"ہُوں۔ ٹھیک ہے۔" فاروق نے کہا اور دفتر فون کیا۔ محمد حسین آزاد سے بات ہوئی۔ فاروق نے جلدی جلدی صورتِ حال بتائی اور ریسیور رکھ دیا۔

"محمد حسین آزاد صاحب آ رہے ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔"

آخر محمد حسین آزاد اپنے ماتحتوں کے ساتھ پہنچ گیا۔ اب انھوں نے اوپر کا رُخ کیا۔ جواری ماٹا کے کمرے کا دروازہ چوپٹ کھُلا تھا اور اس میں کوئی بھی نہیں تھا۔

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" محمد حسین آزاد بڑبڑایا۔

"تب پھر وُہ اوپر ہی اوپر کہاں غائب ہو گئے"، فاروق

بولا —
"ہم - میں کیا کر سکتا ہوں - یہاں آپ لوگ تھے ، میں
نہیں۔" اس نے منہ بنایا۔
"ہوٹل سے باہر نکلنے کے کئی راستے ہو سکتے ہیں، لیکن
جواری ماٹما بھاگنے والا شخص دکھائی نہیں دیتا تھا ، اس
لیے ہم اسی خیال میں تھے کہ وہ بھاگا نہیں - اوپر ہی
ملے گا۔" فاروق نے کہا۔
"کک - کون - کیا نام لیا آپ نے ؟"
"جواری ماٹما۔"
"ارے باپ رے۔" محمد حسین آزاد نے کانپ کر کہا۔
"کیوں - کیا ہوا ؟"
"وہ تو بہت بدنام آدمی ہے - انسانی جانوں سے
کھیلنے والا۔"
"لیکن ہمیں ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔" فرزانہ بولی۔
انھوں نے پورے ہوٹل کی تلاشی لی ، لیکن ان
میں سے کسی کا نام و نشان تک نظر نہیں آیا - آخر مایوس
ہو کر واپسی کی سوچی —
"ابا جان کے بارے میں کچھ معلوم ہے - وہ کہاں ہیں"
"ہاں ! اکرام صاحب انھیں ساتھ لے کر ایک شخص کے

اختر خالد سے ملنے گئے ہیں - قاسم کو ہلاک کرنے والا شخص
جس موٹر سائیکل پر سوار ہو کر آیا تھا - وہ موٹر سائیکل اس
کی ثابت ہوئی ہے۔"
"اوہ !" ان کے منہ سے نکلا - پھر وہ پولیس جیپ میں اس
طرف روانہ ہو گئے ، لیکن جلد ہی انھوں نے محسوس کر لیا کہ ان
کا تعاقب کیا جا رہا ہے —
"ہوشیار فاروق - تعاقب کرنے والی اس کار کے تیور خطرناک
ہیں۔" فرزانہ چلائی -
"ہاں ! میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں - وہ آندھی اور
طوفان کی طرح ہماری طرف بڑھ رہی ہے - انکل آزاد —
کیا آپ اس تیز رفتاری کا ساتھ دے سکتے ہیں ؟"
"ہاں ! کیوں نہیں - ابھی لیجیے۔" محمد حسین آزاد نے کہا اور
خود بھی رفتار یک لخت بڑھا دی —
انھیں جھٹکا لگا اور جیپ ہوا ہو گئی —
"ویری گڈ — ہم تو آپ کو -" فاروق کہتے کہتے رک گیا۔
"ہاں ہاں - کہیے - رک کیوں گئے - آپ تو مجھے فضول آدمی
خیال کرتے رہے ہیں - یہی کہنا چاہتے ہیں نا آپ۔"
"نہیں خیر - میں یہ تو نہیں کہنے والا تھا - خاک ڈالیے
اس پر اور اس کار سے بچنے کی کوشش کیجیے - اس کے

ڈرائیور کی کوشش ہے کہ کسی طرح ہم سے آگے نکل جائے۔ صاف ظاہر ہے۔ آگے نکلتے ہوئے وہ ہم پر فائرنگ کرے گا۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"تو پھر کیوں نہ ہم بھی اس پر فائرنگ شروع کر دیں۔" محمد حسین آزاد نے کہا۔

"نہیں! اس صورت میں ہم شاید اس کار کے ڈرائیور سے زندہ حالت میں نہ مل سکیں۔ جب کہ ہم چاہتے ہیں، اس سے بات چیت کریں۔ پوچھیں، آخر اسے تعاقب کی ایسی کیا خاص ضرورت پڑ گئی ہے۔" فاروق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ان کی جیپ شہر سے باہر نکل گئی۔ تعاقب کے چکر میں وہ اس طرف نہیں مڑ سکتے تھے، جس طرف انھیں جانا تھا۔

"لو بھئی۔ شہر سے باہر آ گئے۔ اب ہو گا مقابلہ۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"کیوں نہ۔ اچانک رک کر اس کا سامنا کر لیا جائے۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"اب یہی مناسب رہے گا۔" فاروق بولا۔

"انکل۔ کیا آپ ایسا کر سکیں گے۔"

"ہاں! کیوں نہیں۔ تیار ہو جائیے۔"

موقع ملتے ہی محمد حسین آزاد نے پورے بریک لگائے۔ اور پھر وہ دروازے کھولتے ہوئے بائیں طرف لڑھک گئے۔ فوراً ہی پچھلی کار زن کر کے گزر گئی اور ساتھ ہی ایک دھماکا ہوا۔ ان کی جیپ کے پرخچے اڑ گئے۔

"ارے باپ رے۔ اس نے تو بم مارا ہے جیپ پر۔" فرزانہ کانپ گئی۔

"چلو اچھا ہی ہوا، ہم جیپ پر نہیں تھے۔" فاروق بولا۔

"لیکن اب ہم شہر کیسے جائیں گے؟" محمد حسین آزاد بڑبڑایا۔

"پپ۔ پیدل۔" فاروق بولا۔

انھوں نے تباہ ہونے والی جیپ کا جائزہ لیا۔ اس میں سے اب انھیں کام کی کوئی چیز ملنے کی امید نظر نہیں آئی، چنانچہ ان کے قدم شہر کی طرف اٹھنے لگے۔ اچانک فرزانہ چلائی:

"گرا دو خود کو۔"

اس جملے میں نہ جانے کس قدر خوف تھا۔ وہ تڑ سے گرے اور لڑھک گئے۔ تعاقب کرنے والی کار اسی وقت عین اس جگہ سے گزر گئی۔ جس جگہ وہ ایک لمحہ پہلے چل رہے تھے:

"اُف مالک۔ موت گویا ہمیں چھو کر گزری ہے۔" فاروق نے

کانپ کر کہا۔

"اور وُہ پھر مُڑ رہا ہے۔" محمد حسین بولا۔

"پتا نہیں۔ کیا ہوگیا ہے اس شخص کو۔ کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا۔" فرزانہ نے فکر مندانہ انداز میں کہا۔

"یہ صرف ہمیں موت کے گھاٹ اُتارنے پر تُل گیا ہے، اور کوئی بات نہیں۔" فاروق نے مسمی صورت بنا کر کہا۔

اب وہ لڑھکتے ہوئے درختوں کی اوٹ میں ہو گئے۔ اس کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتے تھے۔ تعاقب کرنے والی کار کا رنگ سُرخ تھا۔ وُہ ان کے بالکل سامنے آ کر رک گئی۔ اور پھر کوئی گول سی چیز درختوں کی طرف پھینکی گئی۔ درختوں کے درمیان ایک ویسا ہی دھماکا اور ہوا۔ گرد کا ایک بادل اڑا اور دو درخت گر گئے۔ ان کی قسمت اچھی تھی کہ وُہ ان دونوں درختوں کے پیچھے چھپے ہوئے نہیں تھے۔

پھر انھوں نے ایک لمبے قد کے آدمی کو چھلانگ لگا کر نیچے اُترتے دیکھا۔ ساتھ ہی محمد حسین آزاد نے جیب سے پستول نکال لیا، لیکن فاروق نے انکار میں سر ہلا کر اس سے کہا:

"پستول سے فائر نہیں کرنا۔"

لمبا آدمی اندھا دھند درختوں کی طرف چلا آیا۔ شاید اسے یقین تھا کہ اس کے پھینکے ہوئے دستی بم نے ان سب کو ہلاک یا پھر کم از کم زخمی ضرور کر دیا ہے۔ اپنی رو میں وُہ ان سے آگے نکل گیا۔ انھوں نے اس لمبے آدمی کو جواری ماٹا کے آس پاس نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی یہ اس ہوٹل کے ہال میں کہیں نظر آیا تھا، لیکن اس کے باوجود نہ جانے کیوں انھیں یقین تھا کہ اس آدمی کا تعلق جواری ماٹا سے ہی ہے۔

اب وُہ ان کی زد پر تھا۔ فرزانہ نے اچانک اس کی طرف دوڑ لگائی، اس کا سر پورے زور سے لمبے آدمی کی کمر سے ٹکرایا۔ وُہ دھب سے گرا۔ ادھر فاروق اور محمد حسین اس کی طرف بڑھ چکے تھے۔ انھوں نے اس کی ایک ٹانگ پکڑ لی۔ اب وُہ اُٹھ نہیں سکتا تھا۔ ہاتھوں کے بل وُہ پلٹا اور غرّا کر بولا:

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔"

"اور تمھارے خیال میں بم پھینکنا تمیز کی کون سی قسم ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"تو تم بھی مجھ پر وار کرو، حملہ کرو۔ فائر کرو۔ یہ کیا کہ میری ٹانگیں پکڑ لیں۔" اس نے جھلّاتے ہوئے انداز

میں کہا۔

"ہمارا وار کرنے کا کچھ ایسا ہی انداز ہے۔ اس انداز کو صبر اور شکر کے ساتھ قبول کر لیں۔" فرزانہ بولی۔

"چلو فرزانہ اپنا کام کرو۔" فاروق بولا۔

"اپنا کام۔ کیا مطلب؟" حملہ آور بولا۔

"ابھی مطلب بھی معلوم ہو جاتا ہے۔" فاروق نے کہا۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی فرزانہ نے چھلانگ لگائی اور اس کے دونوں پیر اس کی کمر پر آ کر لگے۔ ساتھ ہی وہ اچھلی اور پھر کمر پر گری۔

"یہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔" وہ چلّایا۔

"فرزانہ اس وقت تک اچھل کود جاری رکھو۔ جب تک کہ یہ اپنے بارے میں ہر بات بتانے پر تیار نہ ہو جائے۔" فاروق نے تیز آواز میں کہا۔

"بہت بہتر۔ میں حکم کی تعمیل کروں گی۔" فرزانہ نے کہا اور زور زور سے اچھلنے لگی۔

"ٹھہرو۔" آخر اس نے ایک ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ٹھہر جاؤ فرزانہ۔ پہلے اس کی بات سن لو۔" فاروق مسکرایا۔

فرزانہ رک گئی۔ اور یہی اس کی غلطی تھی۔ اس کے

کتے ہی لمبے آدمی کا ایک ہاتھ اس کی ٹانگ پر آ جما۔ دوسرے ی لمحے فرزانہ دھڑام سے ایک طرف گری۔ اور اس نے دونوں تھوں سے اسے دبوچ لیا۔ پھر اس کی انگلیاں فرزانہ کی سلی کی ہڈی کے پاس دھنستی چلی گئیں۔ فرزانہ کا چہرہ سرخ ہو گیا؛ تاہم اس نے منہ سے کوئی آواز نہ نکالی، اروق بے چین ہو گیا۔ اس نے لمبے آدمی کی ٹانگ کو زور ے مروڑا۔ ادھر محمد حسین نے بھی یہی کیا۔

"کچھ بھی کر لو۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ پہلے تم یری ٹانگیں چھوڑو گے، پھر میں اسے چھوڑوں گا۔" اس نے ڑا کر کہا۔

فاروق نے فوراً اس کی ٹانگ چھوڑ دی۔ محمد حسین نے ی دیر نہ لگائی۔

"بہت خوب۔ یہ ہوئی نا بات۔" اس نے کہا اور فرزانہ کو چھوڑتے ہی ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"اب ہم دو دو باتیں کریں گے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ تم کیا چاہتے ہو۔"

"تم لوگوں کو ختم کرنا۔"

"لیکن کیوں۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"باس کا حکم۔" وہ بولا۔

"آخر جواری ماٹا کو ہم سے کیا خوف ہے۔ اس کے خلاف تو کسی کے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"پتا نہیں۔ تم کیا باتیں کر رہے ہو۔"

"تمھارے باس کا نام جواری ماٹا ہے۔ یہ بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور تم بھی جانتے ہو۔"

"خیر۔ یُوں ہی سہی۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ باس ایسا کیوں چاہتا ہے، میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ تم لوگوں کو ختم کرنا ہے یا خود ختم ہونا ہے۔"

"تو پھر مہربانی فرما کر خود ہی ختم ہو جاؤ، ہمیں تکلیف نہ دو۔" فارُوق نے جلدی سے کہا۔

"جب تک میری جان میں جان ہے، اس وقت تک میں تم لوگوں کو ختم کرنے پر تُلا رہوں گا۔" وُہ بولا۔

"اور اس کام کا صلہ کیا ملے گا تمھیں اپنے باس سے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ لیکن اگر میں اس کا یہ کام نہ کر سکا تو وُہ مجھے پھانسی پر ضرور چڑھوا دے گا، کیوں کہ اس نے میرے ہاتھ سے ایک آدمی کا خُون کروایا تھا اور خُون کرتے وقت میری تصاویر بھی اُتار لی تھیں۔ وُہ تصاویر اس کے پاس ہیں۔"

"اوہ۔ گویا وُہ تمھیں بلیک میل کر رہا ہے۔"

"یہی سمجھ لو۔"

"تمھارا نام کیا ہے۔ اور وُہ کون شخص تھا۔ جس کو تم نے ہلاک کیا تھا۔"

"میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"اچھا تو پھر۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"میرے پاس ایک بم اور ہے۔ اور باتوں باتوں میں وُہ بم مَیں نے نکال لیا ہے اور اب مَیں وُہ تم لوگوں پر پھینک رہا ہوں۔" اس نے ایسے انداز میں کہا جیسے مذاق کر رہا ہو، لیکن دوسرے ہی لمحے ایک گول چیز فضا میں تیرتی ان کی طرف آتی نظر آئی۔ ساتھ ہی انھوں نے اپنی جگہوں سے چھلانگیں لگا دیں۔ بم پھٹا۔ دھماکا ہوا۔ گرد کا بادل اڑا۔ لیکن وُہ بال بال بچ گئے۔ بم زیادہ طاقت کے نہیں تھے، انھیں بچتے دیکھ کر لمبے آدمی کا منہ بن گیا۔ اور اب اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وُہ فائر کرتا۔ محمد حسین کے پستول کی نال سے ایک گولی نکلی اور اس کے ہاتھ سے خُون بہتا نظر آیا۔ پستول کہیں دُور جا گرا۔

"بس۔ اب ہاتھ اُوپر اُٹھا دو۔" فارُوق بولا۔

"میں ہاتھ اُٹھا کر کیا کروں گا۔ تم مجھے گولی مار دو۔ بعد میں بھی تو پھانسی چڑھوں گا۔" اس نے کہا۔

"نہیں بھئی۔ ہم تمہیں گولی نہیں ماریں گے، بلکہ زندہ گرفتار کریں گے۔"

"تو پھر یہ لو۔"

اس نے کہا اور سڑک کی طرف دوڑ لگا دی۔ شاید وہ چاہتا تھا کہ اسے دوڑتے دیکھ کر وہ لوگ گولی چلا دیں۔ محمد حسین آزاد نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ دونوں نے نفی میں سر ہلائے اور اس کی طرف دوڑ پڑے۔

"یا تو تم مجھے گولی مارو گے۔ یا میں بھاگ نکلوں گا، زندہ تم لوگوں کے ہاتھ نہیں آؤں گا۔" اس نے دوڑ کر کار میں سوار ہوتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ کار تک پہنچتے۔ کار ہوا ہو چکی تھی۔ اب انھوں نے دیکھا، ایک سفید کار آ رہی تھی۔ فاروق نے ہاتھ اُٹھا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ کار رک گئی۔ جلدی جلدی انھوں نے ڈرائیور کو صورتِ حال بتائی۔ دوسرے ہی لمحے سفید کار بھی پوری رفتار سے سُرخ کار کے پیچھے اڑی جا رہی تھی۔ شہر سے تو وہ پہلے ہی باہر نکل چکے تھے۔ اب اور دُور ہوتے چلے گئے۔ درمیانی فاصلہ کافی تھا۔ کار

ڈرائیور کوشش کے باوجود اس فاصلے کو کم نہ کر سکا۔ اور ایک بار تو فاصلہ اس قدر بڑھ گیا کہ سُرخ کار ایک دھبہ سا دکھائی دینے لگی۔

"آپ ذرا رفتار بڑھائیے نا۔ وہ تو نظروں سے اوجھل ہوتی نظر آ رہی ہے۔" فرزانہ بولی۔

اور پھر دھبہ ایک موڑ مڑ گیا۔ جب وہ اس موڑ پر پہنچے تو سُرخ کار سڑک کے کنارے کھڑی نظر آئی۔ لمبا آدمی کار میں نہیں تھا۔ وہ بھی اس کے عین پیچھے جا کر رک گئے۔ سڑک کے دونوں طرف درخت تھے۔ گھنے اور بڑے۔ اور دائیں طرف درختوں کے درمیان ایک اونچی عمارت نظر آئی۔ انھوں نے سوالیہ نظروں سے اس عمارت کی طرف دیکھا۔ کار سے اُتر کر ڈرائیور کا شکریہ ادا کیا، پھر غیر ارادی طور پر ان کے قدم اس عمارت کی طرف اُٹھنے لگے۔ عمارت کے دروازے پر پہنچ کر ان کی نظریں نام کی تختی پر جم گئیں۔ لکھا تھا:

"ڈاکٹر ارماط۔"

"ڈاکٹر ارماط۔" تینوں بڑبڑائے۔

"یہ۔ یہ کیا بلا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"بلا نہیں۔ ڈاکٹر۔ ہم ایک ڈاکٹر کو بلا ہرگز نہیں کہ

سکتے اور نہ بلا کو ڈاکٹر۔ ویسے میرا خیال ہے۔ یہاں کوئی ڈاکٹر
ڈاکٹر نہیں رہتا۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔
"یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔
"تم دیکھ نہیں رہیں۔ ہر طرف گرد ہی گرد ہے۔
دروازے بھی گرد سے اٹے ہوئے ہیں۔"
"آؤ۔" فرزانہ بولی اور بے دھڑک دروازے کی طرف
بڑھے۔ اس نے دستک دی۔ پھر ایک منٹ گزرنے پر
بھی دستک کا جواب نہ ملا۔ آخر اس نے دوسری اور تیسری
بار دستک دی۔
"اندر کوئی ہو تو دروازہ کھولے بھی۔" محمد حسین آزاد نے
جھلا کر کہا۔
"لیکن لمبا آدمی آخر اس طرف کیوں آیا۔ کیا اس کا پہلے
سے اس طرف آنے کا پروگرام تھا۔ ہم اس عمارت کو اندر
سے دیکھے بغیر نہیں جائیں گے۔"
"سوال یہ ہے کہ اندر داخل کس طرح ہوں۔" فرزانہ نے کہا
اور بے خیالی میں دروازے پر دباؤ ڈال دیا۔ دروازہ کھل
گیا۔
"ارے! حیرت ہے۔ دروازہ تو اندر سے بند نہیں ہے۔"
"تب وہ لمبا آدمی اندر ہی ہے۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں،

جب اس کے پاس نہ کوئی پستول ہے اور نہ بم۔"
تینوں اندر داخل ہوئے۔ محمد حسین گھبرایا ہوا تھا، لیکن
فرزانہ اور فاروق پُرسکون تھے۔ دروازہ کھلتے ہی ان کے سامنے
ایک لمبا برآمدہ نظر آیا۔ دائیں طرف ایک زینہ اوپر جا رہا
تھا۔ جب کہ بائیں طرف دو کمرے تھے۔ دونوں کمروں کے دروازوں
پر تالے لگے ہوئے تھے۔ ان کے قدم زینے کی طرف اُٹھ گئے:
"مم۔ میں خوف محسوس کر رہا ہوں۔" محمد حسین آزاد نے
کانپ کر کہا۔
"ڈرنے کی ضرورت نہیں انکل۔ موت کا ایک دن مقرر
ہے۔ بلکہ ایک ایک لمحہ تک مقرر ہے۔" فاروق مسکرایا۔
عین اسی وقت انھوں نے ایک آواز سنی۔ ان کے کان
کھڑے ہو گئے۔ آواز دروازہ بند ہونے کی تھی۔ وہ جلدی
سے واپس مڑے اور دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔ لیکن
اس مکان کا دروازہ۔ جو اندر سے کھلا ملا تھا۔ اب باہر سے
بند کر دیا گیا تھا۔
گویا وہ اس مکان میں قید ہو چکے تھے۔۔۔

ذرّات

ملک اختر خالد کی اُڑتی رنگت دیکھ کر محمود اور اکرام حیرت زدہ رہ گئے۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" چند لمحے بعد ملک اختر خالد نے کہا۔

"یہ کہ قاسم اس گھر میں آپ کے ساتھ بہت عرصہ تک رہتا رہا ہے۔"

"آپ یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" اس نے اُلجھ کر کہا۔

"پہلے آپ بتائیے۔ یہ بات درست ہے یا نہیں۔"

"آپ اُلٹا مجھ سے پوچھ رہے ہیں، آپ نے ایک دعویٰ کیا ہے۔ ثبوت بھی آپ کو دینا ہوگا۔" ملک اختر خالد نے جھنا کر کہا۔

"ہاں! بات ٹھیک ہے۔ خیر۔ میں ہی ثبوت دیے دیتا

ہوں۔ یہ کوٹھی آپ کی اپنی ہے یا کرائے کی؟"

"میری اپنی ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"اور آپ کا نام ملک اختر خالد ہے؟"

"یہ بات بھی ٹھیک ہے، لیکن آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" ملک اختر خالد بولا۔

"اگر یہ کوٹھی آپ کی اپنی ہے۔ اور قاسم سے آپ کا کوئی تعلق نہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔ ان کے چہرے پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ ان کا خاص انداز تھا، جب کوئی خاص بات کہنے لگتے تو ذرا دیر کے لیے رُکتے ضرور۔

"آپ رُک کیوں گئے۔" ملک اختر نے بے چین ہو کر کہا۔ بے چین محمود اور اکرام بھی کم نہیں تھے، لیکن انھوں نے اپنے ہونٹ بند کر رکھے تھے۔

"پہلے یہ سُن لیں کہ میں اس کوٹھی میں آج سے پہلے کبھی داخل نہیں ہوا۔"

"چلیے۔ مان لی یہ بات۔ پھر اس سے کیا۔"

"جو بات میں کہنا چاہتا ہوں۔ اس سے فوری طور پر یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ میں یہاں پہلی مرتبہ آیا ہوں۔"

"آپ میری اُلجھن میں ہر لمحے اضافہ کر رہے ہیں۔ اور یہ

کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"ہاں! میں محسوس کر رہا ہوں۔ کہ آپ بہت بے چین ہو چکے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اکرام کی طرف مڑے:

"اکرام۔ ریکارڈ میں سے انھیں قاسم کا اصلی چہرہ دکھاؤ۔"

"جی۔ بہتر!" اکرام نے فوراً کہا، پھر کمرے سے نکل گیا، ریکارڈ تو وہ جیپ میں چھوڑ آیا تھا۔ جلد ہی اس کی واپسی ہوئی اور قاسم عرف راون کی تصویر اس کے سامنے کر دی۔

چند لمحے تک ملک اختر خالد پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس تصویر کو دیکھتا رہا، پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا:

"یہ بات میں اب تک نہیں سمجھ سکا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"اب آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ ساری بات سمجھ چکے ہیں۔ محمود، اکرام تم بھی قاسم کے نقوش کا بغور جائزہ لو۔ فوراً جان جاؤ گے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔"

دونوں کی نظریں بھی تصویر پر جم گئیں۔ پھر انھیں ایک عجیب سی حیرت کا احساس ہونے لگا۔ آخر محمود نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا:

"حیرت ہے۔ اس کے نقوش تو مسٹر اختر خالد سے بہت زیادہ ملتے جلتے ہیں۔"

"ہاں؛ لیکن بظاہر نہیں۔ بظاہر دونوں کے چہرے بالکل مختلف ہیں، لیکن جب غور سے دیکھا جائے تو حیرت انگیز مشابہت کا احساس ہوتا ہے۔ لہٰذا میرا دعویٰ ہے کہ قاسم عرف راون مسٹر اختر خالد کا بھائی تھا اور چوں کہ یہ کوٹھی ان کی اپنی ہے۔ کرائے کی نہیں ہے تو ان کا بھائی بھی آخر یہیں رہتا رہا ہوگا۔"

"اوہ۔ اوہ۔" محمود اور اکرام کے منہ سے نکلا، لیکن ملک اختر کو تو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

"اب آپ کیا کہتے ہیں ملک صاحب؟"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ قاسم میرا بھائی ہے اور وہ ایک زمانے میں یہاں رہتا رہا ہے، لیکن اب وہ میرے ساتھ نہیں رہتا۔"

"اب وہ بے چارہ کسی کے بھی ساتھ نہیں رہ سکتا، کیوں کہ دوسری دنیا کو سدھار گیا ہے۔"

"کیا!" ملک اختر پوری قوت سے چلایا۔

"ہاں! فلک انصاری کی کوٹھی میں اس کی موت واقع ہو گئی ہے۔"

"لیکن۔ کیسے؟" وہ بولا۔

"ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ اس کا ہارٹ فیل ہوا ہے۔"

"نن۔ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔" اس نے لرزتی آواز میں

کہا۔

"کیوں۔ ہو کیوں نہیں سکتا۔ کیا اسے ہمیشہ زندہ رہنا تھا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

ملک اختر خالد کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔

"آپ کا بھائی قاسم۔ ڈاکٹر ارماط کا معاون بھی رہا ہے؟"

"ہاں! وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ سائنس کا طالب علم تھا۔ پھر سننے میں آیا کہ اس نے ڈاکٹر ارماط کے ہاں نوکری کر لی ہے اور اپنا نام راون رکھ لیا ہے۔" اس نے بتایا۔

"سننے میں آیا۔ کیا مطلب۔ کیا یہ بات اس نے خود نہیں بتائی تھی۔"

"نہیں۔ جب سے وہ یہاں سے گیا تھا، پھر اس نے اس طرف کا رخ نہیں کیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے۔ آپ نے یہ بات کسی دوسرے سے سنی تھی۔" محمود نے کہا۔

"جی ہاں! بالکل۔"

"شکریہ۔ اب یہ بھی بتا دیں کہ کس سے سنی تھی؟"

"یہ نہیں یاد۔" اس نے کہا۔

"آپ کا کہنا ہے کہ ملازمت کرنے کے بعد وہ آپ سے ملنے نہیں آیا۔ ٹھیک ہے۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

"اس نے کبھی فون پر بھی بات چیت نہیں کی۔"

"جی نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ آپ میری بات سن کر چونکے کیوں تھے، آپ نے قاسم کا نام سن کر یہ کیوں کہا تھا۔ قاسم، کون قاسم۔"

"آپ کو تو معلوم ہی ہو گا۔ قاسم یعنی راون پر ایک آدمی کے قتل کا الزام ہے۔ قتل ہونے والا بھی ڈاکٹر ارماط کا نائب تھا۔ اسی روز سے ڈاکٹر ارماط اور قاسم غائب ہیں۔ ان حالات میں کون ان سے اپنا تعلق ظاہر کرنا پسند کرے گا۔" ملک اختر خالد نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں! یہ بات آپ کی ٹھیک ہے۔ خیر۔ تو آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قاسم آپ کا بھائی تھا۔"

"ہاں! بالکل۔"

"اور آپ سے الگ ہونے کے بعد پھر کبھی آپ سے نہیں ملا؟"

"نہیں! میں نے تو اس کی شکل بھی نہیں دیکھی۔"

"بہت بہت شکریہ۔ اب ہمیں اجازت دیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

وُہ انھیں رُخصت کرنے دروازے تک آیا۔ باہر نکل کر انھوں نے اپنے چند ماتحتوں کو ہدایات دیں۔ انھیں اکرام نے فون کرکے نگرانی کے لیے بلایا تھا۔ اور اس کے بعد گھر کی طرف روانہ ہوئے:

"میرا خیال ہے۔ فارُوق اور فرزانہ اب تک گھر آچکے ہوں گے۔" وُہ بولے۔

"امید تو یہی ہے۔" محمود نے کہا۔

"میرے لیے کیا حُکم ہے؟" اکرام نے پُوچھا۔

"بھئی ابھی تم ہمارے ساتھ ہی چلو۔"

گھر پہنچنے پر انھیں معلوم ہوا کہ وُہ دونوں ابھی تک نہیں لوٹے:

"حیرت ہے۔ وُہ کہاں رہ گئے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"میں گھبراہٹ محسوس کر رہا ہوں۔ کہیں وُہ پھنس نہ گئے ہوں کیوں نہ ہم ان کی تلاش میں نکلیں۔" محمود جلدی جلدی بولا۔

"ہوں! ٹھیک ہے۔ آؤ چلیں۔"

انھیں تلاش کرتے ہوئے وُہ فلک انصاری کے گھر تک آئے۔ پھر سڑک کا جائزہ لیا گیا۔ ایک جگہ قدموں کی رگڑ کے نشان نظر آئے۔ انھوں نے جھک کر غور سے جائزہ لیا وہاں پاؤڈر کے کچھ ذرات بھی نظر آئے۔ فارُوق کی یہ خاص عادت

تھی۔ رُومال میں تھوڑا سا پاؤڈر رکھ لیتا تھا اور جب کسی کے تعاقب میں نکلنے لگتا۔ اس جگہ اس رُومال میں سے تھوڑا سا پاؤڈر نیچے گرا دیتا۔ اور اس طرح تعاقب کی سمت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا:

"یہ ذرات بتا رہے ہیں کہ وُہ اس طرف گئے ہیں، لہٰذا ہم بھی اسی طرف چلتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔ اور اکرام نے جیپ آگے بڑھا دی۔ یہاں تک کہ شہر سے باہر نکل گئے۔ ایک جگہ انھیں سُرخ کار کھڑی نظر آئی۔ اس کے پاس ہی ایک جگہ قدموں کی رگڑ کے نشان نظر آئے، وہاں بھی پاؤڈر کے کچھ ذرات پڑے تھے۔ وُہ چونک اُٹھے، پھر درختوں کے درمیان ایک عمارت بھی نظر آئی۔ اب تو وُہ جوش میں بھر گئے۔

جیپ سے اُتر کر عمارت کی طرف بڑھے۔ دروازہ باہر سے بند تھا، انھوں نے پہلے تو اِدھر اُدھر کا جائزہ لیا۔ پھر دروازے پر دستک دے ڈالی۔ چند لمحے تک کوئی جواب نہ ملا، پھر فرزانہ کی آواز سُنائی دی:

"ہم اندر ہیں ابّا جان، لیکن دروازہ تو باہر سے بند ہے، آپ شوق سے کھول سکتے ہیں۔"

"ویری گڈ۔"

دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ نام کی تختی پہلے ہی پڑھ چکے تھے:

"تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"سُراغ رسانی۔" فاروق مسکرایا۔

"یہ سُراغ رسانی کا کون سا طریقہ ہے؟"

"جی بس۔ وقت پر جو بھی طریقہ سوجھ گیا۔"

"جلدی بتاؤ۔ یہاں تک کس طرح پہنچے؟"

اور فاروق نے اپنی کہانی سُنا دی۔

"جواری ماما۔" انسپکٹر جمشید اور اکرام ایک ساتھ بولے اور ان کے منہ بن گئے۔

"کیوں ابا جان۔ خیر تو ہے؟"

"اس شخص کا بہت نام سُنا ہے۔ اس کی طرف توجہ دینے کا آج تک موقع نہیں ملا، لیکن شاید اس کیس میں اس سے ہی سامنا ہوگا۔"

"ہمیں یقین ہے۔ وہ لبا آدمی اسی کا آدمی تھا۔ اور اس نے اسے یہی حکم دیا تھا کہ ہمیں ختم کر دے، لیکن وہ ایسا نہ کر سکا اور آخر یہاں قید کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ شاید اس نے سوچا تھا کہ ہم یہاں بھوکے پیاسے مر ہی تو جائیں گے۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"ہم اس تجربہ گاہ کا جائزہ لیں گے۔ بلکہ یہاں پروفیسر داؤد کو بھی آنے کی دعوت دیں گے۔ شاید وہ ہمیں کوئی مفید بات بتا سکیں۔"

اکرام نے باہر نکل کر جیپ سے انھیں فون کیا۔ اس دوران انھوں نے پوری تجربہ گاہ کا جائزہ لیا، اس کمرے کو بھی دیکھا۔ جس میں لاش پائی گئی تھی۔ پھر پروفیسر صاحب بھی آ گئے۔ انھوں نے بھی جائزہ لیا اور آخر بولے:

"جمشید۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر ارماط ایک سائنسدان ہی ہے۔ اس میں صلاحیتیں تھیں۔ اب معلوم نہیں۔ یہاں کیا حالات پیش آئے۔ کیا ہوا اور اب وہ کہاں ہے۔"

"یہ معلوم کرنا ہمارا کام ہے پروفیسر صاحب۔ فکر نہ کریں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

یہاں سے فارغ ہو کر وہ گھر پہنچے۔ اسی وقت وائرلیس پر ایک پیغام ملا۔ اس پیغام کے ملتے ہی وہ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"ہمیں اسی وقت چلنا ہوگا۔"

"کیا مطلب۔ آپ کھانا بھی نہیں کھائیں گے؟"

"نہیں۔ فرض کی ادائیگی زیادہ ضروری ہے۔ مجرم نکل نہ جائے۔"

"تب پھر میں بھی نہیں کھاؤں گی۔ تاکہ فرض کی ادائیگی میں کچھ حصّہ میرا بھی ہو جائے۔" بیگم جمشید مسکرائیں۔

"ضرور۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں، لیکن اس حد تک انتظار نہ کرنا کہ بھوک سے آنتوں میں بل پڑ جائیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ باہر نکل آئے۔

آدھ گھنٹے کا سفر کر کے وہ سمندر کے کنارے کھڑی چٹانوں پر پہنچے۔ دُور دُور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے ہر طرف نظر دوڑانے کے بعد کہا:

"میں خطرے کی بُو سونگھ رہا ہوں۔ آدھ گھنٹے کے اندر ہمیں پھر نمبر ۱۲ کا کوئی پیغام نہیں ملا۔ اس صورت میں تو اسے یہاں ہونا چاہیے تھا۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے۔ اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہمیں ان چٹانوں کا جائزہ لینا ہو گا۔"

چٹانوں کا جائزہ شروع ہوا، لیکن کہیں کسی کے آثار نظر نہ آئے۔

"ہو سکتا ہے۔ اسے افراتفری کے عالم میں یہاں سے رخصت ہونا پڑا ہو۔" فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں۔ اطلاع دیے بغیر وہ یہاں سے ہٹ ہی نہیں

سکتا تھا۔ اسے ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ ہمیں اور کوشش کرنا ہو گی۔"

وہ چٹانوں میں مختلف سمتوں میں پھیل گئے۔ اچانک انھوں نے محمود کی آواز سُنی:

"ابا جان۔ میں یہاں خُون کے قطرات دیکھ رہا ہوں۔"

سب اس طرف دوڑ پڑے۔ واقعی خُون کے کچھ قطرات موجود تھے اور ایک سمت میں چلے گئے تھے۔ وہ ان کے ساتھ ساتھ قدم اُٹھاتے رہے۔ اچانک قطرات نظر آنا بند ہو گئے؛ تاہم سمت کا اندازہ تو لگ ہی گیا تھا۔ وہ اس سیدھ میں آگے بڑھتے رہے، پھر چٹانوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور سمندر کی چھالیں ان کا منہ چڑانے لگیں۔

"یہ کیا ہوا بھئی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہم نے ایک ہی سمت میں کوشش کی ہے۔ دُوسری سمت میں نہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا مطلب؟"

"جس جگہ ہمیں خُون کے قطرات نظر آئے تھے۔ ہم اس جگہ سے اس سمت میں چل پڑے۔ جس سمت میں قطرات گرتے چلے گئے تھے۔ اور ایک ایسی جگہ پہنچ گئے۔ جس کے آگے قطرات نہیں تھے۔ تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ قطرات اس جگہ سے

شروع ہوئے ہوں۔ اور اس سمت میں گئے ہوں جس طرف سے ہم آئے ہیں۔"

" اوہ ہاں واقعی ۔ یہ عین ممکن ہے۔" انسپکٹر جمشید پُر جوش انداز میں بولے۔

اور وہ اس سمت میں چل پڑے۔ قطرات نظر آنے بند ہو گئے۔ اس کے باوجود وہ چلتے رہے۔ اور پھر ایک جگہ رُک جانا پڑا۔ وہاں نمبر ۱۳ بے ہوش پڑا تھا۔

" دیکھا۔ میں نے کہا تھا نا۔" انسپکٹر جمشید بڑ بڑائے۔

" اب پہلے تو اسے ہوش میں لانا ہوگا۔" محمود بڑ بڑایا۔

انھوں نے اسے ہلایا جلایا۔ آخر چند منٹ کی کوشش کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں :

" مم ۔ میں ۔ میں۔" وہ ہکلایا۔

" تم ٹھیک ہو نمبر ۱۳ ۔ تمھارے سامنے اس وقت میں ہوں، کیا ہوا تھا ؟"

" میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں پہنچ گیا تھا ۔ پھر میں نے آپ کو پیغام دیا۔ وہ ایک جگہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو میں آگے بڑھ گیا۔ اور یہی میری غلطی تھی ۔ میں نے احتیاط نہیں کی۔ اس نے دراصل مجھے دیکھ لیا اور کہیں چھپ کر بیٹھ گیا ، پھر اچانک میرے پیچھے آ کر ایک پتھر میرے سر

پر دے مارا ۔ یہ ۔ یہ دیکھیے ۔ میرے سر پر ایک چھوٹا سا سر اور بن گیا ہے۔ اور اس سے خون بھی رس رہا ہے۔"

" ہاں ! تمھارا خون دیکھ کر ہی تو ہم یہاں تک آئے ہیں، اس کا مطلب ہے۔ ہم نے اسے کھو دیا۔" اکرام نے کہا۔

" کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سوال یہ ہے کہ وہ ان چٹانوں کی طرف کیوں آیا ؟"

" ہو سکتا ہے۔ نمبر ۱۲ سے پیچھا چھڑانے کے لیے آیا ہو۔ اس نے انھیں نگرانی کرتا دیکھ لیا ہوگا۔" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

" ہاں ! یہی بات ہو سکتی ہے۔"

" تب پھر۔ اب اس کے یہاں ہونے کا کوئی امکان نہیں رہا۔ ہمیں اس کی تلاش کے لیے پورے شہر میں کوشش کرنا ہوگی۔" اکرام بولا۔

وہ واپسی کے لیے پلٹے ہی تھے کہ فاروق ٹھٹک کر رُک گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

ایک فائر

"خیر تو ہے۔ تمھیں کیا ہوا؟" انسپکٹر جمشید نے فوراً اس کی کیفیت بھانپ لی۔

"میں نے کسی کی ایک جھلک دیکھی ہے اس طرف۔ ایک سر۔ جو ایک چٹان کے پیچھے اُبھرا ہوا تھا۔" اس نے سرگوشی کی۔

"اس کا مطلب ہے۔ وہ یہیں کہیں چھپا ہوا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن سر۔ ان حالات میں تو وہ بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" اکرام بڑبڑایا۔

"ہاں! اکرام تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ ہمیں دیکھ سکتا ہے۔ جب کہ ہم اسے دیکھنے کے قابل نہیں۔ ایسے میں اگر وہ فائرنگ شروع کر دے تو ہمارا کیا بنے گا۔"

"آملیٹ۔" فاروق بولا۔

"آؤ۔ ہم واپسی کا راستا اختیار کرتے ہیں۔ جب اسے یہ اطمینان ہو جائے گا کہ ہم جا چکے ہیں، اس وقت ہم پھر ادھر آئیں گے۔"

وہ واپس چل پڑے۔ یہاں تک کہ چٹانوں سے دور نکل آئے۔

"میرا خیال ہے۔ اب وہ ہماری طرف سے بے فکر ہو چکا ہو گا۔"

"لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے ہماری چال کو بھانپ لیا ہو۔ اور بدستور نگرانی کر رہا ہو۔"

"ہاں! ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے ہیں۔"

"ایک کام ضرور کر سکتے ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اور وہ کیا؟" اکرام نے فوراً کہا۔

"ہو گی اس کی کوئی ترکیب۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میری ترکیب آخر تمھیں جلن میں کیوں مبتلا کر دیتی ہے۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"جل خود رہی ہے اور الزام مجھ پر۔ بھئی واہ۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"جلنے کا مقابلہ پھر کبھی کر لینا۔ اس وقت دشمن سے

مقابلہ ضروری ہے۔ اس نے ہم سب کو چکر دے رکھا ہے۔"

"آخر مسٹر نمبر ۱۳ کس کی نگرانی کر رہے تھے؟"

"مجرم کی۔ جو اس کیس کا اصل مجرم ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور اصل مجرم کون ہے؟"

"جس کی ہمیں تلاش ہے۔" انھوں نے شوخ آواز میں کہا۔

"بہت خوب۔ یہ ہے جواب۔" فاروق نے مسمی صورت بنائی۔

"فرزانہ تم کوئی ترکیب بتا رہی تھیں۔"

"جی ہاں!" اس نے کہا اور دبی آواز میں اپنی ترکیب بتانے لگی۔

"ترکیب واقعی زور دار ہے۔" انسپکٹر جمشید اس کے خاموش ہونے پر بولے۔

"فرزانہ کی ترکیب اور زور دار نہ ہو۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" فاروق بولا۔

"تم پر کوئی پابندی تو ہے نہیں۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"ہم اس وقت فرزانہ کی ترکیب پر عمل شروع کر رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے گویا اعلان کیا۔

اور پھر وہ رینگنے کے انداز میں اس سمت میں چل پڑے، جس طرف فاروق کو کسی کی جھلک دکھائی دی تھی۔ وہ اپنے

سروں کو اونچا نہیں ہونے دے رہے تھے۔ اس طرح ان کی رفتار بہت سست رہی؛ تاہم وہ آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ اپنے اندازے کے مطابق اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں فاروق کو کسی کی جھلک دکھائی دی تھی۔

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"کم از کم میں ایک بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ مجھے وہم نہیں ہوا تھا۔ میری آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا۔"

"تب پھر۔ یہاں اس کو موجود ہونا چاہیے تھا۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"ہمارے چلے جانے کے بعد اسے یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں رہی ہو گی۔" فاروق نے جواب دیا۔

"تب پھر وہ یہاں آیا کیوں تھا۔" محمود بولا۔

"اس سے پوچھ کر بتاؤں گا۔"

"میرا خیال ہے۔ ہمیں کچھ اور آگے بڑھ کر دیکھنا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور آگے بڑھنے لگے۔ اچانک ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔ ایک سٹین گن کی نال ان کی نظروں کے سامنے تھی، لیکن وہ جس کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ انھیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ چٹان میں ایک سوراخ تھا

اور یہ نال اس سوراخ سے جھانک رہی تھی:

"تم سب ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ بہت چالاک بنتے ہو۔" غراہٹ زدہ آواز سنائی دی۔

"معاف کر دیں۔ اب بہت چالاک نہیں بنیں گے۔" فاروق نے کانپ کر کہا۔

"بس۔ نکل گئی جان ابھی سے۔ میں نے تو سنا تھا کہ تم لوگ بہت دلیر ہو۔"

"جی۔ بس۔ اب کیا بتائیں۔" فاروق بولا۔

"کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"آپ ہیں کون اور پردے میں کیوں بیٹھے ہیں۔ سامنے کیوں نہیں آتے۔"

"سامنے بھی آؤں گا۔ گوگے۔ ان کے پستول وغیرہ نکال لاؤ۔ دیکھو پوری احتیاط سے۔ یہ کوئی چال نہ چل جائیں۔" اس نے کہا۔

"فکر نہ کریں باس۔ ان کے تو فرشتے بھی چال نہیں چل سکیں گے۔"

"بھئی ہمارے فرشتوں کی شان میں کوئی گستاخی نہ کرنا، ورنہ ہم بہت بری طرح پیش آئیں گے۔"

"سنا باس۔ یہ کیا کہ رہا ہے۔" گوگا بولا۔

"ہاں! سن چکا ہوں۔ تم اپنا کام کرو۔"

انھوں نے گوگے کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ اسی چٹان کے پیچھے سے نکلا تھا جس میں سے رائفل کی نال جھانک رہی تھی۔

"اگر کسی نے بھی حرکت کی کوشش کی تو سینہ چھلنی ہو جائے گا۔ یہ خیال رہے۔"

"اچھا۔ خیال رہے گا۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

گوگے نے پورے اطمینان کے ساتھ ان کے پستول نکال لیے، پھر بولا:

"میں فارغ ہو چکا ہوں باس۔"

"ہاں! میں دیکھ سکتا ہوں۔ اب ان لوگوں کے پیچھے دونوں ہاتھوں میں پستول لیے کھڑے رہو۔ اگر ان میں سے کوئی ذرا بھی حرکت کرے تو میری طرف سے اجازت ہے، اس پر فائر کر سکتے ہو۔ میں تمھیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

"شکریہ باس۔ کم از کم میں اس پر فائر کرنے کے لیے بے چین ہوں۔" اس نے فاروق کی طرف اشارہ کیا، پھر چونک اٹھا:

"ارے!" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیا ہوا؟" سٹین گن والا جلدی سے بولا۔

"ان۔ ان کے ساتھ وہ بھی تو تھی۔ وہی لڑکی ۔ جو

ہوٹل میں اس کے ساتھ تھی۔"

"اوہ ہاں! واقعی۔ کیوں بھئی۔ تمھاری بہن کہاں ہے؟"

"نکل گئی ہو گی ادھر اُدھر گھومنے۔ اسے دراصل گھومنے پھرنے کا بہت شوق ہے۔" فاروق نے کہا۔

"اب کیا کیا جائے باس؟"

"سوکھا آرہا ہے۔ وہ اس کی تلاش میں نکلے گا۔ تم ان لوگوں کو غار میں لے آؤ۔" اس نے کہا۔

"چلو بھئی قدم اُٹھاؤ۔ ورنہ۔" اس نے دھمکی دی۔

وہ چلنے لگے۔ اسی وقت دوسری طرف سے سوکھا آتا نظر آیا۔ اس نے ان پر ایک نفرت آمیز نظر ڈالی اور پھر یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا:

"میں اس آفت کی پرکالہ کو ڈھونڈ کر لاتا ہوں، پھر ایک ساتھ ان سے نبٹیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ اچھا پروگرام ہے۔ اگر باس نے اجازت دی۔"

"میں تمھیں دلوں کی بھڑاس نکالنے کا پورا پورا موقع دوں گا۔" باس بولا۔

"شکریہ باس!" سوکھے نے خوش ہو کر کہا۔

پھر ان کے درمیان فاصلہ بڑھتا چلا گیا۔ آخر وہ ایک غار میں داخل ہوئے۔ غار کے اندر کا منظر حد درجے عجیب

تھا۔ غار کی چھت میں لوہے کے ہک لگے ہوئے تھے۔ ان ہکوں سے رسیاں لٹک رہی تھیں۔ ان میں سے ایک رسی کے ساتھ ملک اختر خالد اُلٹا لٹکا ہوا تھا۔ جواری ماٹا کے ہاتھ میں سٹین گن تھی۔ چار آدمی اور غار کے دائیں بائیں موجود تھے، ان کے ہاتھوں میں بھی سٹین گنیں تھیں۔

"کسی انسان کا جسم چھلنی بنتے دیکھا ہے کبھی انسپکٹر جمشید؟" جواری ماٹا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! اکثر دیکھا ہے۔"

"لیکن جس انداز سے ہم ملک اختر خالد کو چھلنی کریں گے۔ اس انداز سے کبھی کسی نے کسی کو چھلنی نہیں کیا ہو گا۔"

"نن۔ نہیں۔ نہیں۔" ملک اختر چلایا۔

"یہ سب کیا چکر ہے۔ تم اسے کیوں مار ڈالنا چاہتے ہو؟"

"اس لیے کہ یہ میری بات کا جواب نہیں دے رہا۔"

"اوہ۔ بُری بات ہے۔ سوال کا جواب تو اسے دینا چاہیے۔"

"دینا چاہیے نا۔ یہی میں اب تک اس سے کہ رہا ہوں، تم نے سُنا مسٹر اختر۔ انسپکٹر جمشید نے کیا کہا ہے۔"

"انھیں۔ انھیں کیا معلوم کہ سوال کا جواب دینے کے

بعد میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔" ملک اختر نے تلملا کر کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا سلوک ہوگا۔"

"یہ مجھے فوری طور پر بھون ڈالیں گے۔"

"اور نہ بتانے کی صورت میں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس صورت میں یہ مجھے جان سے نہیں ماریں گے۔ کیوں کہ جب تک میں زندہ ہوں۔ سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔ مر جانے کی صورت میں تو کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔"

"اوہ۔ اچھا۔ بہت خوب۔ تب تو نہ بتانا ہی بہتر ہے مسٹر اختر خالد۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن آخر کب تک۔ ٹلتے رہنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے اس حد کے گزرنے کی دیر ہے۔ پھر یہ چیخ چیخ کر بتائے گا"

"آخر وہ سوال کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ میں بتا دیتا ہوں۔ چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر ارماط نے ایک خاص قسم کے جراثیم دریافت کیے تھے۔ اس نے جان داروں پر ان جراثیم کا تجربہ کر کے دیکھا اور بہت حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے۔ اتنے کہ شاید خود ڈاکٹر کو بھی امید نہیں تھی۔ لیکن اس سے بات پیٹ میں نہ رہ سکی۔ اپنے ماتحت قاسم عرف داون کو ساری

بات بتا دی۔ ڈاکٹر برا آدمی نہیں تھا۔ وہ ان جراثیم سے ملک اور قوم کے لیے کام لینا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں اس نے پروفیسر داؤد سے بھی ملاقات کی تھی، لیکن ادھر قاسم کا دماغ الٹ گیا۔ اس نے اپنے بھائی ملک اختر خالد سے بات کی۔ اس کے ذہن میں ایک اور ہی منصوبے نے جنم لے ڈالا۔ یہ میرا واقف تھا۔ میری مدد سے اس نے اپنے دو دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتروایا تھا۔ چناں چہ یہ مجھ سے ملا اور جراثیم کی کہانی سنائی۔ یہ جراثیم میرے لیے حد درجے کام کی چیز تھے۔ نہ صرف میرے لیے۔ بلکہ مجھ جیسے اور لوگوں کے لیے بھی۔"

"کیا مطلب۔" فاروق نے کچھ سوچ کر جلدی سے کہا۔

"میرا مطلب ہے۔ کرائے کے قاتلوں کے لیے یہ جراثیم بہت ہی محفوظ ذریعہ تھے۔ یعنی ایک آدمی کو جراثیم کے ذریعے ہلاک کر دو، لیکن پولیس کبھی بھی اس واردات کو قتل کی واردات نہیں کہے گی۔ ڈاکٹری رپورٹ بھی یہی ہو گی کہ ہارٹ فیل سے موت ہوئی ہے۔ یعنی کسی کو کانوں کان پتا نہ چلے گا کہ فلاں آدمی کو قتل کیا گیا ہے۔ ماہرین اور باقی سب لوگ یہی خیال کریں گے کہ یہ دل کے فیل ہونے کی وجہ سے مرا ہے۔ اور اس لیے

یہ جراثیم میرے لیے بہت اہم ہیں۔ بہت خاص ہیں ۔
محفوظ طریقے سے دولت کے ڈھیر جمع کرنے کا آسان ترین
نسخہ ہے۔ اپنے غنڈوں کو بھیج کر دوسروں کو ختم کرانے
کی ضرورت نہیں رہے گی ۔ اس طریقے میں دھڑکا بہرحال
لگا رہتا تھا کہ کبھی نہ کبھی کوئی غلطی تو ہو ہی جائے
گی۔ اور پولیس میرے خلاف ثبوت حاصل کر ہی لے
گی ۔ لہٰذا میں یہ جراثیم خریدنے کے لیے تیار ہو
گیا ۔ لیکن میں نے ایک شرط لگائی۔ اور وہ یہ کہ
پہلے یہ کسی آدمی کو جراثیم کے ذریعے ہلاک کر کے
دکھائیں ۔ جب ڈاکٹری رپورٹ ہارٹ فیل کی مل جائے
گی ، اسی وقت میں ان جراثیم کو خرید لوں گا ۔ ان کا
کہنا تھا کہ ایسی دس گیندیں ان کے پاس ہیں۔ اور ان
میں جراثیم ختم نہیں ہوتے۔ بلکہ اور پیدا ہوتے رہتے ہیں
ملک اختر نے یہ پیش کش منظور کر لی۔ اس کا فلک انصاری سے
زمینوں کا کچھ چکر تھا ۔ اس نے سوچا۔ فلک انصاری کو جراثیم
کا نشانہ بنایا جائے ۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی قاسم کو
فلک انصاری کے گھر بھیج دیا ۔ یہ وہاں گیا ۔ غربت کا
بہانا بنا کر ملازمت حاصل کی ۔ اس کے بعد وہاں نہ
جانے کیا ہوا ۔ یہ لوگ پروگرام کے مطابق فلک انصاری

کو تو جراثیم کا شکار نہ بنا سکے ، ہاں قاسم خود بن گیا۔"
" اس کی وضاحت میں کر دیتا ہوں۔ جراثیم کی گیند
دراصل فلک انصاری کے بیٹے ریحان انصاری کو اپنے گھر
میں پڑی ملی ، یہ قاسم کے پاس سے کہیں گر گئی ہو گی ،
یا اس نے جان بوجھ کر گھر کے کسی کونے میں رکھ دی
ہو گی ، تاکہ موقع ملتے ہی گیند وہاں سے اٹھا کر اپنا کام
دکھا دے ۔ ریحان انصاری اسے سکول لے گیا۔ اور پھر اس
سے اتفاق سے گیند کلاس روم میں گر گئی ۔ جو فاروق کے
ہاتھ لگی ۔ فاروق کے ہاتھ میں پروفیسر داؤد نے دیکھی۔ اور
وہ چونک اٹھے ، کیوں کہ یہ گیند وہ ڈاکٹر ارماط کے ہاتھ
میں دیکھ چکے تھے۔ اس طرح یہ چکر شروع ہوا ۔ ہم
گیند کے ذریعے فلک انصاری سے ملے ۔ وہاں قاسم سے
ملاقات ہوئی ۔ مجھے قاسم پر شک ہو گیا۔ ادھر باہر
ملک اختر۔ یعنی قاسم کا بھائی حالات سے باخبر رہنے کے
لیے موجود تھا ۔ اس نے اندر گڑبڑ محسوس کر لی ۔ اس
وقت وہ میک اپ میں تھا ؛ چناں چہ اندر آ گیا۔ اور اپنے
بھائی کو ان جراثیم کا نشانہ بنا کر چلتا بنا۔"
" لیکن کیسے ابا جان ؟"
" جراثیم جسم میں داخل کرنے کا طریقہ بہت حیرت انگیز

ہے۔ اور یہی بات شاید جواری ماٹا ملک اختر سے معلوم کرنا
چاہتا ہے۔ کیوں بھئی۔ ٹھیک ہے نا۔"
"ہاں! بالکل ٹھیک"۔ جواری ماٹا بولا۔
"بہر حال۔ بہت آسان طریقہ ہے، لیکن اس ساری
کہانی میں جو سب سے اہم چیز ہے۔ وہ ہے لالچ۔ قاسم
نے لالچ کیا۔ ڈاکٹر ارماط سے ان جراثیم کو بنانے اور
انھیں جسم میں داخل کرنے کا طریقہ معلوم کرنے کے لیے
ایک منصوبہ بنایا۔ اور ڈاکٹر ارماط کے دوسرے اسسٹنٹ کو
موت کے گھاٹ اُتار دیا۔"
"اور ہم یہ خیال کرتے رہے کہ ڈاکٹر ارماط اور قاسم
دونوں نے مل کر ماتحت کو قتل کیا اور غائب ہو گئے۔"
"ہاں! ہم نے ہی نہیں، پولیس نے بھی یہی خیال
کیا تھا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"تب پھر اصل بات کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں؟"
"قاسم نے ڈاکٹر ارماط کے دوسرے اسسٹنٹ کو قتل کر
دیا۔ لاش کو تجربہ گاہ میں چھوڑا۔ اور ڈاکٹر ارماط کو بلیک میل
کر کے روپوش ہونے پر مجبور کر دیا۔ دراصل قاسم عرف
راون ڈاکٹر ارماط سے ان جراثیم کے بارے میں معلومات
حاصل کر کے دولت مند بننا چاہتا تھا۔ تفصیلی بات ہمیں

ڈاکٹر ارماط ہی بتا سکتے ہیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر ہم ان
کے پاس چلیں گے۔"
"تو آپ کو معلوم ہے۔ وہ کہاں ہیں۔" محمود نے بے چین
ہو کر کہا۔
"اندازہ ضرور ہے۔ لیکن یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" انھوں
نے کہا، پھر بولے:
"مطلب یہ ہوا کہ لالچ نے قاسم کو اندھا کر دیا۔ اس
نے ڈاکٹر ارماط کے دوسرے اسسٹنٹ کو قتل کر دیا اور خود ڈاکٹر
ارماط کو لے کر روپوش ہو گیا۔ تین سال تک تو قاسم
خاموش رہا، پھر ان جراثیم کا سودا اپنے بھائی ملک اختر
کے ذریعے جواری ماٹا سے کرنا چاہا، کیوں کہ جواری ماٹا
جیسے لوگوں کے لیے یہ جراثیم ایک بہت بڑی دولت ہیں۔ ادھر
جواری ماٹا نے ان جراثیم کو مفت میں حاصل کرنے کا منصوبہ
بنایا اور ملک اختر کو یہاں بلا کر جکڑ لیا۔ لالچ کا انجام یہی
ہوتا ہے۔ اب رہ گیا جواری ماٹا۔" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رُک
گئے۔
"رہ میں نہیں۔ تم گئے ہو۔ شاید تم بھول گئے۔ اس
وقت تم سب میرے قبضے میں ہو اور میرے یہ ساتھی
تم لوگوں کو بھون ڈالنے کے لیے بالکل تیار ہیں۔ بس میں

یہ چاہتا ہوں۔ ملک اختر ان جراثیم کو انسانی جسم میں داخل کرنے کا طریقہ بتا دے۔ کیوں کہ ان گینڈوں پر میں چاقو، چھریاں، پنیں۔ سب کچھ آزما چکا ہوں۔ لیکن۔ ان میں سوراخ نہیں ہوتا۔ نہ یہ کٹتی ہیں۔ جب کہ ملک اختر نے قاسم کے جسم میں یہ جراثیم آن کی آن میں داخل کر دیے تھے۔" وہ کہتا چلا گیا۔

"واقعی طریقہ بہت آسان ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یہ اور اچھا ہے۔ پہلے طریقہ جاننے والا صرف ایک تھا، اب ایک سے زیادہ ہیں۔" جواری ماٹا نے خوش ہو کر کہا۔

عین اسی وقت ایک فائر ہوا اور ملک اختر خالد کی رسی کٹ گئی۔۔۔

افسوس!

فائر کی آواز نے ان سب کو اُچھل پڑنے پر مجبور کر دیا۔ اور اس موقعے بھی اگر انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور اکرام فائدہ نہ اُٹھاتے تو پھر ہاتھ ہی ملنا پڑتے؛ چناں چہ انھوں نے ایک ساتھ چھلانگیں لگائیں۔ اور رائفل برداروں پر جا پڑے۔ پہلے ہی حملے میں وہ رائفلیں چھیننے میں کامیاب ہو گئے۔ ادھر ایک فائر اور ہو چکا تھا۔ اور اس فائر نے جواری ماٹا کے ہاتھ والی سٹین گن فضا میں اُچھال دی تھی۔ جلد ہی فرزانہ اندر داخل ہو رہی تھی، اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔۔۔

"سوکھے کا کیا بنا فرزانہ؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"سوکھ گیا بے چارہ۔ بس ایک پتھر کی مار ثابت ہوا۔" اس نے کہا۔

"ہوں! مجھے امید تھی۔ تم ایسا ہی کرو گی۔" انسپکٹر جمشید

بولے۔

"اب میدان ہمارے ہاتھ ہے۔ ان سب کو باندھ لین
چاہیے۔ کیوں کہ ابھی ہمیں ڈاکٹر ارماط سے بھی ملاقات کرن
ہے۔"

"اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن پہلے ذرا مسٹر جوا
ماٹا سے تو دو دو باتیں کر لیں۔" محمود بولا۔

"ضرور کیوں نہیں۔ اجازت ہے۔"

"جواری ماٹا۔ اب تم کیا کہتے ہو۔ اب بھی تمھارے خلاف
ہمارے پاس کوئی ثبوت ہے یا نہیں۔"

"بالکل نہیں۔ یہاں ہونے والی گفت گو کو عدالت م
ثابت نہیں کیا جا سکتا۔" اس نے غرّا کر کہا۔

"یہ صرف تمھارا خیال ہے۔ ہم اس گفت گو کو ثابت
کر سکتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"کس طرح؟" وہ پریشان ہو گیا۔

"ادھر دیکھو۔ میری گھڑی میں ایک مائکرو ٹیپ ریکارڈ
موجود ہے۔ تمام گفت گو ٹیپ ہو چکی ہے۔"

"نہیں!" جواری ماٹا پوری قوت سے چلّایا۔

"اس نہیں کا مطلب شاید ہاں ہے۔ کیوں فرزان
فاروق مسکرایا۔

"ہاں بالکل۔"

پھر انھوں نے ان سب کو جکڑ لیا۔ اکرام نے وائرلیس
کے ذریعے اپنے ماتحتوں کو وہاں طلب کیا اور ان سب کو
ان کے حوالے کر دیا۔ اس دوران انسپکٹر جمشید نے ملک
اختر خالد سے علیحدگی میں کچھ گفت گو کی۔

"اب کہاں چلنا ہے ابّا جان؟" ان کے جاتے ہی محمود بولا۔

"ڈاکٹر ارماط کے ہاں۔"

"اور وہ ہمیں کہاں ملیں گے؟"

"بھئی۔ سیدھی سی بات ہے۔" وہ مسکرائے۔

"سیدھی سی بات۔ نظر تو نہیں آتی۔" فاروق حیران ہو
کر بولا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

آخر ان کی جیپ ڈاکٹر ارماط کی تجربہ گاہ کے سامنے
رکی۔

"یہاں تو ہم پہلے بھی آ چکے ہیں۔ اگر ڈاکٹر ارماط یہاں
ہوتے تو اس وقت ہی نظر آ جاتے۔" محمود نے حیران ہو کر
کہا۔

"قاسم اور ملک اختر خالد نے مل کر یہ پروگرام بنایا
تھا۔ انھوں نے دوسرے نائب کو قتل کر دیا۔ اور لاش کے

اُوپر ڈاکٹر ارماط کو گرا دیا۔ پستول بھی اس کے ہاتھ میں
دے دیا۔ اسے نیم بے ہوشی کی کوئی دوا دے دی
گئی تھی۔ اس حالت میں اس کی تصاویر اُتار لی گئیں،
ہوش میں آنے پر اسے بتایا گیا کہ اس نے اپنے نائب
کو قتل کر دیا ہے۔ ثبوت کے طور پر تصاویر موجود ہیں،
تصاویر دیکھ کر ڈاکٹر ارماط گھبرا گئے۔ اب وہ پوری طرح
ان دونوں کے قبضے میں تھے۔"

"لیکن کیوں ابا جان۔ وہ اس نائب کے ساتھ ہی ڈاکٹر
ارماط کو بھی ختم کر سکتے تھے۔"

"یہی ڈاکٹر ارماط نے عقل مندی کی تھی، اس نے جراثیم کا
راز کسی کو نہیں بتایا تھا۔ جراثیم بنائے کس طرح جا
سکتے ہیں۔ انھیں ان گیندوں میں بند کس طرح کیا جا
سکتا ہے۔ صرف ان جراثیموں کو دوسروں کے جسم میں داخل
کرنے کا طریقہ اس نے انھیں بتا دیا ہو گا۔ وہ بھی یہی
دھمکی کی بنا پر۔ کیوں کہ اگر قاسم اور ملک اختر کو اس
سے کچھ بھی معلوم نہ ہو پاتا تو پھر وہ اسے ثبوت سمیت
پولیس کے ہی حوالے کرتے۔ لیکن جب تک اس سے
کسی فائدے کی اُمید کی جا سکتی تھی۔ اس وقت تک
پولیس کے حوالے نہیں کر سکتے تھے اور نہ ختم کر سکتے تھے

یہ بات ڈاکٹر ارماط نے بھی بھانپ لی تھی۔ اگرچہ ملک اختر
نے یہ بات نہیں بتائی کہ ڈاکٹر ارماط اب کہاں ہے،
لیکن میں یقین سے اب یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ وہ
یہیں کہیں ہیں۔ وہ لمبا آدمی جواری ماٹا کے علاوہ دراصل
ملک اختر خالد کا آدمی تھا۔ جواری ماٹا کو تو ہم سے
کوئی خوف نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ تو خود کو بالکل محفوظ خیال
کر رہا تھا۔ ہم سے خطرہ محسوس ہوا تھا ملک اختر کو۔
اس لیے اس نے قاسم کو ختم کر دیا اور پھر تم لوگوں کو
بھی ختم کرانے کی کوشش کی۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ کو
منظور ہوتا ہے۔" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رُک گئے۔

آخر وہ تجربہ گاہ میں داخل ہوئے۔ انھوں نے اب
پھر پوری تجربہ گاہ کا جائزہ لیا۔ لیکن ڈاکٹر ارماط کا کہیں
نام و نشان نہیں تھا۔

"اب ہم کس طرح تلاش کریں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"اس کام کے لیے ضرور کوئی خفیہ جگہ استعمال کی گئی ہے،
ٹھہرو۔ میں کوشش کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے منہ سے
بلند آواز نکالی:

"ڈاکٹر ارماط۔ میں انسپکٹر جمشید آپ سے مخاطب ہوں،
قاسم مارا جا چکا ہے۔ اس کے بھائی ملک اختر خالد کو گرفتار

کر دیا گیا ہے۔ ان دونوں نے آپ کے خلاف دراصل
ایک سازش کی تھی۔ چکر چلایا تھا۔ آپ کے اسسٹنٹ
کو انھوں نے خود ہی قتل کیا تھا۔ اب آپ پوری طرح
آزاد ہیں، آپ پر قتل کا کوئی الزام نہیں۔ آپ جہاں
کہیں بھی ہیں۔ وہاں سے نکل کر باہر کی دنیا میں سانس
لے سکتے ہیں — یہ کوئی فریب نہیں ہے۔ دھوکا نہیں ہے،
آپ ہم پر یقین کریں۔" اتنا کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو
گئے۔ اور انتظار کرنے لگے —

تین منٹ کی خاموشی کے بعد انھوں نے پھر یہی الفاظ
دہرائے۔ لیکن ڈاکٹر ارماط کی طرف سے کوئی جواب نہ
ملا۔ آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"اگر آپ کو ہماری بات پر یقین نہیں آیا تو پھر ہم
جا رہے ہیں۔ آپ ہمارے جانے کے بعد نکل آئیے
گا اور کہیں بھی چلے جائیے گا۔ آپ پر کوئی الزام نہیں ہے۔"
یہ کہہ کر وہ ان کی طرف مڑے:

"چلو بھئی چلیں۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے ابا جان کہ وہ ہماری آواز سن ہی
نہ رہے ہوں۔ کسی تہ خانے وغیرہ میں ہوں۔"

"بھئی وہ ایک سائنس دان ہیں۔ قتل کی سزا کے خوف

نے انھیں یہاں چھپنے پر مجبور کر دیا ہے۔ انھوں نے اس
قسم کا کوئی انتظام ضرور کر رکھا ہوگا کہ اوپر ہونے والی
گفتگو سن سکیں۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔ تو پھر چلیے۔"

وہ تجربہ گاہ سے نکل کر جیپ کی طرف بڑھے:

"ابھی ابھی مجھے ایک خیال آیا ہے۔" اچانک فرزانہ
بڑبڑائی —

"چلو اگر خیال آ ہی گیا ہے تو بتا بھی دو۔" فاروق
نے کہا۔

"اور وہ خیال ہے۔ لمبے آدمی کے بارے میں۔"

"لمبے آدمی کے بارے میں۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کہیں وہ لمبا آدمی اس وقت ڈاکٹر ارماط
کے پاس نہ ہو۔ صاف ظاہر ہے۔ وہ ڈاکٹر کو بولنے کی
مہلت کب دے گا۔"

"ہوں۔ خیال واقعی زوردار ہے۔ خیر اب ہم بھی چال
چلیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

وہ جیپ میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے، پھر جیپ
کو ایک جھنڈ میں کھڑا کر کے واپس پلٹے، لیکن غیر محسوس طور
پر اور درختوں کی اوٹ لے لے کر۔ اب وہ عمارت کے

چاروں طرف کھڑے ہو گئے اور نظریں اس پر جما دیں۔
انھیں پندرہ منٹ کا تکلیف دہ انتظار کرنا پڑا، پھر دروازہ
کھلا اور لمبا آدمی باہر نکلتا نظر آیا۔ اس نے احتیاط سے
اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک طرف بڑھنے لگا۔ وہ اس کے
تعاقب میں ہو لیے۔ اس کے قریب پہنچ کر انسپکٹر جمشید نے
سرد آواز میں کہا:

"خبردار! ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

وہ زور سے اچھلا۔ اور پھر بھڑک کر بھاگا، لیکن محمود
نے فوراً ٹانگ آگے کر دی۔ نتیجہ یہ کہ منہ کے بل گرا۔

"دیکھ کر دوڑو بھئی۔ کیا کرتے ہو۔" فاروق گھبرا کر بولا۔

اسی وقت انسپکٹر جمشید نے اسے گدی سے پکڑ لیا۔

"چلو اندر۔ اور بتاؤ۔ ڈاکٹر ارماط کہاں ہیں؟"

"وہ یہاں کہاں۔" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"اگر وہ یہاں نہیں ہیں، پھر تم یہاں کیا کر رہے
ہو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ
اسے عمارت کے اندر لے آئے۔ اب جو انھوں نے اس
کی گدی پر دباؤ ڈالا تو چلا اُٹھا:

"ب۔ بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" وہ مسکرائے۔

وہ کسی مشین کی طرح ایک کمرے کی الماری کی طرف
بڑھا۔ الماری کے پٹ کھول ڈالے۔ اس کی سامنے والی
دیوار بھی لکڑی کی تھی۔ اس پر ایک خاص جگہ سے دباؤ
ڈالا تو وہ کسی دروازے کی طرح ہٹ گئی۔ اور انھیں
سیڑھیاں نظر آنے لگیں۔ وہ سیڑھیاں اُترتے چلے گئے۔
نیچے زیرو کا بلب جل رہا تھا۔ اور کمرے کے فرش
پر ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ پڑا تھا۔ اس کا چہرہ اس قدر
پیلا ہو چکا تھا کہ کیا کسی مُردے کا ہو گا۔ اس کی آنکھیں
کھلی تھیں۔ لیکن ان میں اس قدر مُردنی تھی کہ اس شخص
کو زندہ خیال کرنا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

"آپ۔ آپ ڈاکٹر ارماط ہیں۔"

"کب۔ کبھی۔ تھا۔" اس نے حسرت زدہ انداز میں کہا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کوئی قتل وتل نہیں
کیا۔ یہ ان لوگوں کی سازش تھی۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" ڈاکٹر ارماط نے مشکل
سے کہا۔

"ابھی میں اوپر سے آپ کو آوازیں دے رہا تھا۔
کیا آپ نے میری آوازیں نہیں سنی تھیں؟"

"نہیں۔ میرے حواس جواب دے چکے ہیں۔ نزدیک کی آواز تو سُن سکتا ہوں، دُور کی نہیں۔"

"خیر۔ اس لمبے آدمی نے ضرور میری آواز سُنی تھی۔ اور اب یہ شہر جا کر حالات کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ آپ اس کو جانتے ہیں؟"

"یہ انھی کا ایک ساتھی ہے۔" ڈاکٹر بولا۔

"آپ نے ان جراثیم کے بارے میں ان لوگوں کو کہاں تک بتایا ہے؟"

"صرف ان کو استعمال کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ وہ بھی ان کے ظلم و ستم سے مجبور ہو کر۔ ورنہ میں تو وہ بھی بتانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ گیند کو ایک خاص انداز سے پکڑ کر کسی انسان کی جلد پر رکھ کر دبا دو۔ جراثیم ایک ننھی سی دھار بن کر جسم میں داخل ہو جائیں گے اور دیکھنے پر ایسے معلوم ہوگا کہ جیسے کوئی سوئی چبھوئی گئی ہے۔"

"بالکل یہی طریقہ پروفیسر داؤد نے گیند کا تجزیہ کر کے مجھے بتایا ہے۔ کاش! آپ موت سے نہ ڈرتے۔ ان کو کچھ نہ بتاتے۔ کیوں کہ انھوں نے ایک شخص کو تجربے کے طور پر ہلاک کرنا چاہا تھا۔ یہ اور بات ہے مرا خود ان

کا آدمی یعنی آپ کا اسسٹنٹ قاسم عرف راون۔ یہ اسے ہلاک کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔"

"اوہ۔ اوہ۔"

"ان لوگوں کو جراثیم کی بھنک پڑ کیسے گئی تھی؟"

"میں نے تو ہر بات چھپا رکھی تھی، لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ راون ہر وقت میری نگرانی کرتا رہتا ہے۔" اس نے حیرت زدہ آواز میں کہا۔

"ہم آپ کو باہر کی دُنیا میں لے چلیں گے۔ امید ہے آپ خوشی محسوس کر رہے ہوں گے۔"

"خخ۔ خوشی۔ پتا نہیں۔ خوشی کیا ہوتی ہے۔ اس طویل قید نے ہر احساس مجھ سے چھین لیا ہے۔" ڈاکٹر اوہاڑی نے کہا۔

"فکر نہ کریں۔ رفتہ رفتہ آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔ آئیے میں سہارا دے کر آپ کو لے چلوں۔"

انسپکٹر جمشید اسے سہارا دینے کے لیے جھکے۔ اسی وقت ڈاکٹر کے بدن میں جھرجھری سی دوڑ گئی۔ اس نے مشکل سے کہا:

"شش۔ شاید۔ اب وقت گزر گیا ہے۔"

"وقت گزر گیا ہے۔ کس چیز کا؟" محمود کے منہ سے نکلا۔

"میرے باہر جانے کا۔ اب۔ اب تو میں۔"

وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کی گردن ڈھلک

گئی۔ انسپکٹر جمشید کے ہاتھ پھیلے رہ گئے۔

"افسوس!" ان کے منہ سے نکلا۔

"یہ انجام کس قدر حسرت ناک ہے۔" فرزانہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اور یہ سب کچھ انسان کے لالچ کی وجہ سے ہوا۔ کاش ہم لوگ جان لیں۔ ہمارے دین میں لالچ کو کس قدر برا کہا گیا ہے۔ کتنی سختی سے لالچ سے روکا گیا ہے۔ اصل وجہ یہی ہے کہ ہم اسلام کی تعلیم سے دور ہو گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے درد بھرے انداز میں کہا۔

لمبا آدمی بھی اب پھٹی پھٹی آنکھوں سے ڈاکٹر کے مردہ جسم کو دیکھ رہا تھا۔

گیند کا طوفان
پر انعام حاصل کیجیے۔

- ناول "گیند کا طوفان" آپ نے پڑھا، اب فوراً اس پر اپنی رائے لکھیے۔
- سب سے پہلے موصول ہونے والے دو خطوط پر ۵۰، ۵۰ روپے کا نقد انعام روانہ کیا جائے گا۔
- ان کے بعد پہلے موصول ہونے والے آٹھ خطوط پر ۵، ۵ کتابوں کے پیکٹ بطور انعام روانہ کیے جائیں گے، کتابیں ادارہ اپنی پسند کی روانہ کرے گا۔
- یہ دس خط آئندہ ماہ کے ناول کے آخر میں اسی ترتیب سے شائع ہوں گے جس ترتیب سے موصول ہوں گے۔
- یہ ضروری نہیں کہ خط ناول کی تعریف میں ہو۔ ناپسندیدگی کا بھی ہو سکتا ہے۔
- یہ خطوط ارسال کرنے کے لیے پتا نوٹ کر لیں:

اشتیاق احمد، وی ۸/۶ سٹیلائٹ ٹاؤن، جھنگ صدر

- لفافے کے اوپر بریکٹ میں انعامی سلسلہ ضرور لکھیں۔ (انعامی سلسلہ)

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۷۲

انوکھا روپ

— مصنف: اشتیاق احمد —

- آپ کے کرداروں کو اس مرتبہ ایک ہنگامہ پرور کیس مل گیا ہے۔
- مجرموں کا منصوبہ انتہائی ہولناک تھا—
- ہر لمحے آپ کا دل دھڑکے گا—
- آخر میں مجرم کی چالیں آپ کو چکرا دیں گی—
- لیکن اس کا مقابلہ بھی انسپکٹر جمشید سے تھا—
- بیگم جمشید نے حالات کا مقابلہ کس طرح کیا—آپ بے ساختہ مسکرا دیں گے—
- محمود، فاروق اور فرزانہ کو جب موت کا سامنا کرنا پڑا—
- خان رحمان اور پروفیسر داؤد سے بھی ملیے—

قیمت: ۶/۵۰ روپے

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۷۳

انسانی کنواں

— مصنف: اشتیاق احمد —

- پانچ بھائیوں پر ایک شخص کے قتل کا الزام تھا—
- وہ اس الزام کو درست مانتے تھے، قتل کا اقرار کرتے تھے، لیکن—
- لیکن قتل کی وجہ کسی کو بتانے پر تیار نہیں تھے—
- عدالت سے انھیں عمر قید کی سزا ہو گئی— لیکن وجہ اب بھی کسی کو نہیں معلوم تھی—
- محمود، فاروق اور فرزانہ وجہ کی تلاش میں نکلتے ہیں—
- خان رحمان ان کے ساتھ تھے—
- انسپکٹر جمشید کس موقعے پر کیس میں شریک ہوئے—

قیمت: ۶/۵۰ روپے